علّامہ رشید ترابی

آوازوں کی دھوم اور سماعتوں کے ہجوم میں یہ آواز ایک ایسی سماعت کی تمنائی ہے جو زیر و زَبر کرتی ہوئی مادّی ناہمواریوں میں کسی اخلاقی استواری اور کسی روحانی توازن کی تلاش میں سرگرداں ہے۔
اپنے شجرۂ نسب کے اعتبار سے یہ آواز نہج البلاغہ کی نسل سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اِس فضائے جزر و مَد اور اِس ہوائے گرم و سرد میں یہ آواز ظنّ و تخمین کی نہیں بلکہ یقین کی آواز ہے۔ یہ آواز الفاظ کی معاشیات اور افکار کی ریاضیات پر مشتمل ہے اور ایک ایسی نفسیات کی تشکیل میں منہمک ہے جو ہزار بے ثباتی کے باوجود آدمی کو ایک ثبات کی دینیات سے آشنا کر رہی ہے۔ یہ دینیات عقل کی دینیات ہے۔ مہیب تاریکی میں محیط روشنی کی دینیات ——— اِس نسبت سے یہ آواز ثقہ اور اپنے استنباطی رُجحان کے باعث قدرے بلیغ ہو جاتی ہے۔ یہ آواز تغیرّ و تحیّر کے اٹھائے ہوئے سوال و جواب کی ہر نیکی و بدی سے آگاہ ہے اور
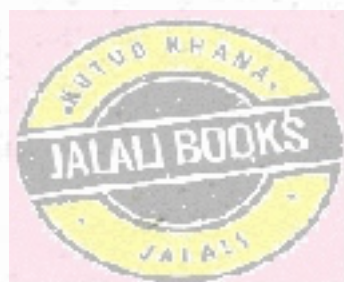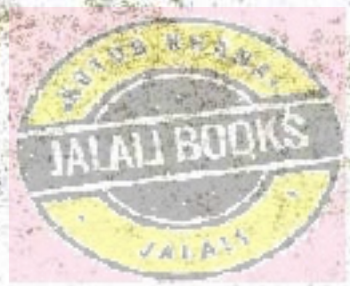
شاخِ مرجان

(شعری مجموعہ)

علامہ رشید ترابیؒ

تفصیلات

مشاورت: منور عباس ایڈووکیٹ مولانا حسن امداد
ہادی ترابی طہٰ ترابی

نظامت: عشرت انجم شاہد جعفر ابوطالب ترابی
سلمان ترابی میثم ترابی عمّار ترابی

ادارت: نصیر ترابی
خواجہ رضی حیدر

کتابت و صورت گری:
عزیز احمد (خورد) رشید صدیقی

طباعت: فضلی سنز، کراچی

اشاعت: ترابی اکادمی۔ سی۔ ۲۰/۱۹ فیڈرل بی ایریا، کراچی

تعداد: ــــــ گیارہ سو
بارِ اوّل: ــــــ اکتوبر ۱۹۸۳ء
قیمت: ــــــ پچاس روپے
چار پاؤنڈ
آٹھ ڈالر
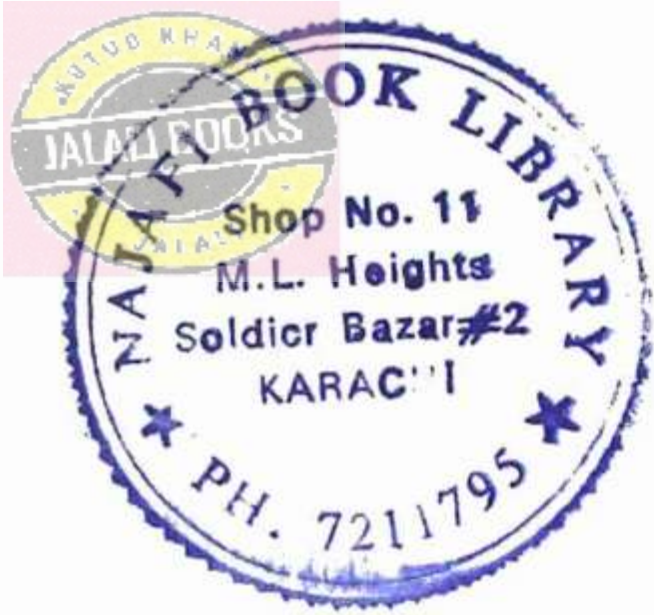
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرج البحرین یلتقین ○

بینهما برزخ لا یبغین ○

فبای آلاء ربکما تکذبن ○

یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان ○

فبای آلاء ربکما تکذبن ○

(القرآن)

شرفِ انتساب

صاحبِ اوّل و آخر کے نام

خلق کی ابتدا محمدؐ ہیں
فکر کی انتہا محمدؐ ہیں

رُخِ انتصار

شاخِ مرجان

شاخِ مرجان

اسمِ عظیم

کہتا ہے ہر دم قلبِ سلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صِرف آغاز نہیں ہے اُس کا نام

ہر انجام ہے وہ اسمِ عظیم

نام سے اُس کے خِلقت کا قیام

خَلق کو جس نے دیا دینِ قویم

عاجز کیا سمجھے آنِ قدیر

حادث کیا جانے شانِ قدیم

ہم ہیں مرکّب اور وہ ہے صمد

ہم جاہل، ذات اُس کی ہے علیم

پائے کہیں اُس کو نہ فکرِ بشر

آئے نہ ادراک میں جس کا حریم

دیکھ کے خاموش رہے وہ غفور

جان کے انجان بنے وہ کریم

ذکر نہیں کرتا ہے کوئی شقی
شکر نہیں کرتا ہے کوئی لئیم

اُس کا نہیں کوئی عدیل و نظیر
اُس کا نہیں کوئی شریک و سہیم

لامحدود، حدوں میں کیا سمائے
ماہیّت میں کیوں آئے قدیم

فہم کا کیا حق پہنچے جو وہاں
عقل میں کیا آئے علیٌّ حکیم

جس کا غضب بُعد عن الحق ہو
نعمت جس کی صراطِ مستقیم

منکرِ سجدہ، اب تک ہے وہ حُکم

دور بھی ہو اِنّک اَنتَ الرّجیم

اپنے گناہوں پہ ہے اب بھی مُصر

منکرِ صانع جو ہے فکرِ ذمیم

حد میں کیسے آئے وہ کلام

الکن بن جائیں جس جا کلیم

حاسد جَل جَل کر مٹی بنیں

جس کو چاہے دے ملکِ عظیم

آیا ہدایت کے لئے وہ نبیؐ

مومن کے لئے جو رؤف الرحیم

نورِ خدا جس کا ہے یاسین نام

جس کی سند والقرآن الحکیم

رازِ جہاں، نون و قلم قاف صاد

رمزِ جہاں، سرِّ الف لام میم

کلمہ اُس کا ہے وردِ زباں

جس کا دامن فردوسِ نعیم

نار و جناں سے نہ کیوں ہو اختلاج

بُغض و محبّت ہے جہاں خود قسیم

خُلق سے جس کے دلِ مومن قوی

کفر کا سر ضرب سے جس کی دو نیم

بدر و اُحد، خیبر و خندق میں ہے
نفس کا اُس کے وہ جلالِ عظیم

اِنّا فتحنا لک فتحاً مبین
بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم پہ نظر آپ کی ہے یا نہیں
قلبِ رشیدؔ اور یہ اُمید و بیم

رہے جو شام و سحر اُن کے آستاں کو سلام
یہی ہے خُلد، اب آرامِ قلب و جاں کو سلام

دعائیں دیتی ہوئی بے کسی بڑھی آگے
کیا جو برق نے جُھک جُھک کے آشیاں کو سلام

پرائے تنکے تھے آندھی کا اک بہانہ تھا
گھر اپنا دیکھ لیا، عمرِ رائیگاں کو سلام

کوئی سُنے گا کہاں تک یہ ہوش کی باتیں
مذاقِ عشق بگڑتا ہے، رازداں کو سلام

میں جا رہا ہوں نگاہوں میں لے کے جلوۂ دوست
حیاتِ عقل ملی، مرگِ ناگہاں کو سلام

ترے نثار نشیمن کو پھونکنے والے
مکاں کی قید میں مشکل تھا لامکاں کو سلام

رشیدؔ پاؤں کے چھالے بہت ستاتے ہیں
مری طرف سے کہو میرِ کارواں کو سلام

تغیّر دہر کا فطری ہے لیکن ناگہاں کیوں ہو
بہاروں پر خزاں آئے، بہاروں میں خزاں کیوں ہو

جلا ڈالا نشیمن باغباں نے اِس بہانے سے
کہ اِس سُوکھی ہوئی ڈالی پہ تیرا آشیاں کیوں ہو

نیا قصّہ ہے اے کاتب نیا عنوان قائم کر
شریکِ داستانِ غیر میری داستاں کیوں ہو

گھر اپنا ڈھونڈ لیتا ہے فضا میں ٹوٹتا تارا
ملے گا اک نہ اک دامن یہ آنسو رائیگاں کیوں ہو

مری غمخواریاں ممکن نہیں اِس سے تو ہٹ جائے
مِرے سَر پر تماشا کرنے والا آسماں کیوں ہو

وہ طائر جس میں کچھ بھی جرأتِ پرواز باقی ہے
گرفتارِ قفس کیوں ہو اسیرِ آشیاں کیوں ہو

نشیمن جل چکا، میں برق کا مرہونِ منّت ہوں
فضائے لامکاں میری ہے' اب فکرِ مکاں کیوں ہو

وہی اعلانِ حق کرتا ہے جو پیچھے نہیں ہٹتا
اقامت جن سے نا ممکن اُنہیں فکرِ اذاں کیوں ہو

اگر نیّت محبّت ہے تو کیا امکان غفلت کا
ترا آبی پھر سرِ محشر حسابِ دوستاں کیوں ہو

محتاج ہر نفس میں کسی کا شریک ہے
شرکت ہے احتیاج، صمد لاشریک ہے

بدبخت کون ہے نہ کھُلا سب نے یہ کہا
کشتی کے ساتھ ڈوبنے والا شریک ہے

ہر فتحیاب کے لئے تنہا تھا تیرا نام
اب جشنِ فتح میں تو زمانہ شریک ہے

یہ دوست کا ہے غم تو مبارک مگر یہ سوچ
اِس غم میں کس قدر غمِ دنیا شریک ہے

ظاہر میں دلفریب سہی ربطِ باہمی
دردِ دَروں میں کون کسی کا شریک ہے

ممکن نہیں کہ صرف شفق کا یہ رنگ ہو
اِس میں کسی کا خون بہت سا شریک ہے

مجبور پر عذاب ہے، کس طرح کا یہ عدل
جب ہر گُنہ میں عالمِ بالا شریک ہے

کانٹا کوئی چبھے تو اکیلا نہ جانئے
ایک اِس خلش میں وحشتِ صحرا شریک ہے

محشر لرز رہا ہے اِس آواز سے رشید
ہاں کون میرے قتل میں کتنا شریک ہے

توحید

فکرِ توحید ہے کمالِ بشر
نظم و ضبط و حیاتِ قلب و نظر

ایک ہی ایک ہُو ہے ذاتِ اَحد
ہے صمد لَم یَلِد وَ لَم یُولَد

اُس کی مرضی پہ بندگی توحید
اُس اشارے کی روشنی توحید

حق کی جانب رُخِ حیات رہے
ہم کہیں ہوں اُسی کی بات رہے

سیرِ عقلِ بشر رہِ تشبیہہ

عقل چُپ ہے جہاں ہوئی تنزیہہ

یہی توحید ہے کہ وہم نہ ہو

خالقِ فہم اسیرِ فہم نہ ہو

نہیں تخلیقِ عقل وحدتِ حق

اِس ہُوِیّت پہ ہے شہادتِ حق

عقل خاموش عِلم بھی خاموش

وحی کا منتظر خودی کا ہوش

اک ندا تھی اِلٰھُکُم واحد

قلبِ قابل پہ وحی تھی وارد

عقلِ اوّل نے اس کو مان لیا

اِتنی قربت تھی اس کو جان لیا

خلق میں اب یہ حجّتِ خالق
عقلِ کامل ہے وحی سے ناطق

سروری سب اُسی کو زیبا ہے
یہ بشر ہر صفت میں یکتا ہے

اِس بشر سے خدا کو پہچانا
اصلِ حجّت ہے اِس کا فرمانا

یہی اخلاصِ بندگی توحید
رفعتِ عبد کی یہ ہے تمہید

کلمۂ ذکرِ عبد سے کامل
نامِ رب سے اذاں میں بھی واصل

حق کی توحید پر گواہ بنے
وہ جو اس عبد کی شہادت دے

قربِ حق سے دلیلِ راہ بنے

عبد یہ شرطِ لا اِلہٰ بنے

کس زباں پر ہے آج یہ تلقین

عبد کا ذکر دین کی توہین

جان لے آج جو جہاں ہے عَنید

نہیں توہینِ عبد میں توحید

کہہ رہے ہیں جو ہم کو شخص پرست

خود ہیں مشرک غرورِ جہل میں مست

شرک فی الخَلق ہے نہاں در دل

شرک فی الجَعل زیبِ ہر محفل

کس تکبّر سے کہتا ہے نادان

یہ ہے قرآن یہ مِرا فرمان

یہ خدا نے کہا یہ میں نے کہا

شرک کچھ اور بھی ہے اِس کے سوا

اِتنا اصرار ہے خطا پہ ابھی

کیا جلی ہو رہا ہے شرکِ خفی

ہے الٰہ کی نفی کہ نفیٔ بشر

ہے کہاں تک فریبِ فکر و نظر

لَا اِلٰہ کہ لا محمّد ہے

آخر اِس جہل کی کوئی حد ہے

دِل میں شیطان جانتا ہے مگر

سمتِ سجدہ ہے اب بھی خیرِ بشر

شرک کیسا کہ یہ تعبّد ہے

یہ تشابُہ نہیں تشہُّد ہے

ذکر اِس عبد کا عبادت ہے
یہ اذاں ہے یہی اِقامت ہے

اتبّاعِ رسولؐ الفتِ حق
وحدتِ فکر سے ہے وحدتِ حق

اِن سے دُوری خدا سے ہے دُوری
ہائے مسلم نُما کی مجبوری

شرکتِ لفظ سے یہ حیراں ہے
کہہ رہا ہے نبیؐ کو انساں ہے

اِنّما حصر ہے خدا ہے ولی
پھر نبیؐ ہے ولی، ولی ہے علیؑ

پھر خدا نور ہے نبیؐ بھی ہے نور
نورِ واحد میں پھر علیؑ بھی ہے نور

رب ہے مومن رسولؐ بھی مومن

کیا یہ مشرک ہیں اب سبھی مومن

دو جُدا امر ہیں رہے معلوم

شرکتِ لفظ و شرکتِ مفہوم

شرکتِ لفظ بھی نہیں ہے جہاں

کیوں کوئی نا سمجھ رہے حیراں

کیا کہا ہے خدا کو بھی معصوم

شرک کیوں ہو جو ہو نبیؐ معصوم

کیا خدا خود بھی ہے رسولِ خدا

شرک کیسے ہے یا رسولؐ اللہ

وحدتِ لفظ و کثرتِ مفہوم

یا علی (جل جلالہٗ) یا علیؑ سے ہے معلوم

حال و ماضی ہو یا حضور و غیاب

شرک کیسے بنے ندا و خطاب

کیا طلب اور دعائیں ردّ و کد

آ رہی ہے باذنہٖ کی سند

پہلے منِ دونہٖ کو پہچانو

کون ماذون ہے یہ پھر جانو

اِذن پایا ہوا ہے وہ مختار

مرضئ رب سے ہے جو بر سرِ کار

بے بصر کو وہی بصارت دے

ہو جو مبروص اُس کو صحت دے

کردے طائر کو خلق مٹی سے

پھونک دے روح، زندگی دے دے

وہ جو چاہے تو کائنات ملے
الغرض موت کو حیات ملے

ایسے بندوں سے مانگنا کیا ہے
رب کی مرضی ہے امرِ مولا ہے

کیوں نہ ہو صادقین سے الفت
یہی توحید کی ہے ماہیّت

حق نمائی کی فکر ہے توحید
ایسے بندوں کا ذکر ہے توحید

یہ رہِ حق کے پُر ثمر اشجار
تذکرے ہیں انہی کے لیل و نہار

ہے جو مجبورِ خُبثِ باطن سے
ہٹ گیا ہے سبیلِ مومن سے

یہ سمجھتا نہیں کہ شرک ہے کیا

اُس کو شک ہے ہر ایک شے ہے خدا

ہر ادب شرک احترام ہے شرک

خاص بندوں کا ذکرِ عام ہے شرک

دلِ بیمار خوش مزاج نہیں

ایسے وَسواس کا علاج نہیں

شرک بیشک ہے جو سِوا سمجھوں

ہاں کسی کو اگر خدا سمجھوں

پھر تو سب شرک ہے دُعا کہ نِدا

اُس طرف دیکھ لوں تو شرک ہُوا

یہ تو ہیں بندگانِ حضرتِ حق

جن کو حاصل ہے عزتِ مطلق

ہے تصرّف میں حال و آئندہ
مرضیٔ حق کے یہ نمائندہ

نقص ہو دور لطفِ کامل سے
یہ وسیلہ بنیں تو خُلد ملے

اِس وسیلے کی جستجو توحید
اِس شفاعت کی آرزو توحید

حکمِ سجدہ پہ سجدہ ہے توحید
سنگِ اسود کا بوسہ ہے توحید

اُس کے گھر کا طواف ہے توحید
بیتِ حق کا غلاف ہے توحید

رمی جمرات ہو یہ ہے توحید
تم اُچھلتے چلو، یہ ہے توحید

لائے احکامِ حضرتِ داور
مرضیٔ رب کا جو بنے مَظہر

جس پہ توحید منطبق ہو جائے
حُکم سے حُکم متفق ہو جائے

یعنی اک حُکم بھی جو ٹل جائے
دین میں دُور تک خلل جائے

ذکرِ واحد ہے مَظہرِ توحید
قولِ طیّب ہے یہ صراطِ حمید

نہیں توحید بحثِ ذات و صفات
یہ عقیدہ ہے اصلِ راہِ حیات

جس پہ توحید پا سکے اطلاق
اُس کے قبضے میں اَنفُس و آفاق

ایسے بندوں کی زندگی توحید

اُن کا علم اُن کی آگہی توحید

شرک سے جب مُباہلہ ہوگا

اِن ہی بندوں کا قافلہ ہوگا

یہ ہیں اَبنا۔ نِسا یہ اَنفُسنا

سب یہ رشتے ہیں اور اَو ادَنیٰ

وہ ہیں راہب یہ اہلِ بیتِ نبیؐ

شرک و توحید میں یہ جنگ ہوئی

اِس طرف عدل ہے طہارت ہے

اُس طرف ظلم ہے نجاست ہے

یہ محمدؐ یہ دین کا گلشن

یہ علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ

پنجتن یہ مباہلے والے
نام سے اِن کے شرک بھی کانپے

متحد ہو کے آئیں یا تنہا
جنگ اِن سے ہوئی تو شرک ہُوا

یہ اکیلے بھی ہوں تو ہیں غالب
اِن کا آغاز ہیں ابو طالب

شرک و توحید میں جہاں بھی ہو جنگ
نام اِن کا ہے دینِ حق کی اُمنگ

یہ محمدؐ ہیں اوّل و آخر
یہ محمدؐ ہیں باطن و ظاہر

ہے مسلسل یہ ذکر تا کوثر
اِنّ شانِئَکَ ھُوَ الابتَر

عِلم

نورِ صبحِ ازل کی یہ امواج
ذرّے ذرّے میں ضَوفگن ہیں سراج

سطحِ تاریخ پر نہیں ہے عِلم
فکرِ غوّاص کو ملا یہ تاج

ہم نے ہر شے کو سرسری دیکھا
عِلم ہے نور اور نظر ہے زُجاج

ربطِ اشیاء کا یہ مجرّد عِلم
ہے بشر کا ظہور میں محتاج

عِلم شیرازہ بند عالم کا
فی الحقیقت ہے عقل کا سرتاج

عِلم ہے نورِ وحی سے مربوط
جہل ظلمت ہے ظلمتوں کا راج

عِلم مرکز ہے کائنات محیط
عِلم و تخلیق لفّ و نشر ہیں آج

عِلم کی انتہا ارے توبہ
عِلم نے عقل سے لیا ہے خراج

عِلم ہے عرشِ منتہائے کمال

خطِّ سیرِ بشر میں یہ معراج

عِلمِ شارحِ اَناشناس ہوا

عِلمِ حق سے اِسی اَنا کی لاج

ہے یہی تو اَنا مدینۂ عِلم

ہے درِ شہر اِسی اَنا کا مزاج

ربِّ زِدنی صدائے فکر و نظر

ہے سکونی یہاں کا رسم و رواج

جب حدیں ٹوٹتی ہیں، عِلم کہاں

کیوں انا الحق کہے کوئی حلّاج

ادبِ زیست اُس پہ ہے لازم

جس کا آغاز نطفۂ امشاج

کوئی جاہل ولی نہیں ہوتا
معرفت بحرِ علم ہے موّاج

علم کیا ہے بصیرتِ نبویؐ
اہلِ دل کے لئے یہی منہاج

علم ہی سے یقیں طلب ہے رشیدؔ
ہر شک و ریب کا ہے علم علاج

نہیں ہے آتشِ زرتُشت ، روز و شب نہ جلے
یہ دل ہے جلوہ گہہِ طُور ، بے سبب نہ جلے

ہے باغباں کی یہی مصلحت تو عبرت ہے
جلا ہے میرا نشیمن تو سب کا سب نہ جلے

ہوائے دہر سے شعلے بھڑک رہے ہوں جہاں
خدا کی شان ہے ، کوئی ہو جاں بلب نہ جلے

دل و نگاہ کی وسعت عجب بلندی ہے
حسد ہے دل میں تو کیوں کوئی کم نسب نہ جلے

بھڑک رہی ہے جو یہ شمع بے سلیقہ ہے
ہَوا کے رُخ کو سمجھ لے تو بے ادب نہ جلے

بَنا ازل میں جو قانونِ شمع و پروانہ
یہ لکھ دیا گیا کوئی ہَوا طلب نہ جلے

نگاہِ لطف جو مجھ پر تھی بزم میں تو کہا
یہ اک چراغ زیادہ جلا ہے، اب نہ جلے

رشیدؔ علم سے اپنے حیات روشن ہے
ہر ایک دور میں تھے یہ چراغ، کب نہ جلے

داستاں صبر کی غیروں کو سنائی نہ گئی
جُز رسی دردِ خداداد میں پائی نہ گئی

فکرِ آزاد کو پروائے نشیمن کب تک
تہمتِ تنگ دلی مجھ سے اُٹھائی نہ گئی

حرکتِ نفس طلب اور طلب لا محدود
لطفِ ساقی ہے کہ یہ پیاس بجھائی نہ گئی

اے گزرتی ہوئی دنیا سے پلٹنے والے
کیا گلہ ہے جو تیری آبلہ پائی نہ گئی

ذائقہ کون بدل دیتا ہے ہر منزل پر
موت کہتے ہیں جسے وہ تو نہ آئی نہ گئی

ایک سجدے میں کیا کون و مکاں کو اپنا
مر گئے اور ترے بندوں سے خدائی نہ گئی

حیف اُس طائرِ بے حال کے نغموں پہ رشیدؔ
آشیانہ تو گیا تلخ نوائی نہ گئی

اب کیا کسی اور سے گِلہ ہے
یہ دل یہی میرِ قافلہ ہے

کِس طرح چھپائیں داغِ داماں
یہ اپنا اپنا حوصلہ ہے

ہر آن خوشی کی جستجو میں
غم کا غم سے مقابلہ ہے

ہنستے ہوئے آئے سب اندھیرے
شاید کہیں دل سے دل مِلا ہے

اُبھروں میں کِسی طرح جہاں میں
یہ جوشِ نمودِ آبلہ ہے

میں دُور ہوں فکرِ آشیاں سے
تعمیرِ قفس کا سلسلہ ہے

اپنی حد تک ہے روحِ گلشن
جو پھول جہاں کہیں کھِلا ہے

کیا کوئی بچائے اپنا خرمن
بجلی کی پسند، فیصلہ ہے

خاکِ درِ دوست اور مرا نفس
یہ زادِ سفر یہ راحلہ ہے

اے رسمِ حیات تھک گیا ہوں
اب کتنے نفس کا فاصلہ ہے

لو صبح ہوئی رشیدؔ چونکو
منزل کے قریب قافلہ ہے

ہَوا ہَوس کی چلی نفس مشتعل نہ ہوا
جسے یہ بات میسّر ہوئی خجل نہ ہوا

گزر چلا مَن و تُو سے فضائے ہُو کا حریف
بشر وہی جو گرفتارِ آب و گِل نہ ہوا

یہ اور بات ہے ظالم کی نیند اُڑ جائے
ارادتاً مرا نالہ کبھی مُخل نہ ہوا

سکونِ فکر ، سکونِ نظر ، سکونِ حیات
خمیرِ زیست اِن اجزاء پہ مشتمل نہ ہوا

جو زخم دل پہ لگے، مٹ گئے مگر غمِ دوست
مری حیات ہے یہ زخم، مُندمل نہ ہوا

بہار میں بھی نہ تھا ناز دل کی قوّت پر
خزاں کے دور میں بھی قلب مضمحل نہ ہوا

سکونِ دل نہ ملا دولتیں مہیّا کیں
بہت تھے اہلِ دُول ایک اہلِ دل نہ ہوا

اثر پذیر وہ قصّہ ہے جس میں درد بھی ہو
بغیرِ درد کوئی کیف منتقل نہ ہوا

ضدیں تمام زمانے کی اک جگہ کر دیں
مذاق ہو گیا ہستی کا میرا دل نہ ہوا

خطا یہ تھی کہ جھنجھوڑا ہے خود پرستوں کو
رشیدؔ ایسی خطاؤں پہ منفعل نہ ہوا

ڈرتے رہو بنے نہ فلک مہرباں کہیں
جب گوشِ ہوش ہے تو بنو کیوں زباں کہیں

پھر اک دھواں ہے اور مرا داغ دیدہ دل
ممکن ہے جل رہا ہو کوئی آشیاں کہیں

کیا اِن بلندیوں پہ بھی ہیں اتنی پستیاں
لے جا کے خیمہ ڈال دے اے آسماں کہیں

اک داغِ زندگی ہے یہ بے راہ زندگی
سجدے کہیں ہیں اُن کے قدم کے نشاں کہیں

ہر سانس اک اشارۂ محسوس ہے کہ چل
غفلت پسند موت بھی ہے ناگہاں کہیں

شاید وہی ہے منزلِ تکمیلِ انتظار
ملتے ہیں راستے میں زمان و مکاں کہیں

سچ ہے یہی حرم تو ہمارا ہے پاسباں
ڈر ہے حرم کو لوٹ نہ لیں پاسباں کہیں

اے بندگانِ خاص ترا آبی ہے منتظر
اِتنا ادب سے کہدو ملیں وہ جہاں کہیں

عقل

روزِ ازل پیشِ حق خَلق کا تھا احتساب
سب کے قدم ہٹ گئے، عقل ہوئی باریاب

عقل کہ ہے نورِ رَب خلقتِ کُل کا سبب
عَدل ہے جس کا ادب خیر سے ہے انتساب

قوتِ عقلِ بشر صبر ہے تنہائی پر
جنتِ فکر و نظر بہرِ عدو اک سراب

عقل ہے اصلِ حیات جس کا عدم خود ممات
جہل کا رنگِ ثبات جیسے شکستِ حباب

کب سے ہے وجہِ نشاط عقل کی یہ احتیاط
نور سے ہے ارتباط حق سے نہیں احتجاب

اُس کا قبول اُس کا رَد مرضیٔ مولا کی حَد
جس کو ملے یہ سَند ہے وہی اُمّ الکتاب

نفس مِلا اُس کو علم روح ملی اُس کو فہم
جانِ عمل اُس کا عزم نطق ہیں حکمت کے باب

اُس کا دماغ اِتّقا اُس کی نظر میں حیا

قلب میں رحمت سدا فیض رساں فیض یاب

حق سے ملیں نعمتیں خیر کی دس دولتیں

اصل میں سب رحمتیں جیسے معیّن نصاب

دولتِ صدق و یقیں فطرتِ ایمان و دیں

دل ہے سکوں آفریں شُکر سے ہے بہرہ یاب

رِفق و مدارات بھی موعظتِ ذات بھی

شُکر کی سوغات بھی اُس میں خلوص آب و تاب

شانِ قناعت ملی قوتِ تسلیم بھی

نور کی کُل زندگی اُس کا اِیاب و ذہاب

آئی صدائے جلیل سب کے لئے تو سبیل
دہر میں تو ہے کفیل حشر میں تجھ سے حساب

وجہِ عروجِ بشر تجھ پہ ہے میری نظر
جان لے وقتِ سفر حق ہے ثواب و عقاب

عقل نے بے اختیار سجدہ کیا ایک بار
سال بھی گزرے ہزار نور کا تھا یہ حساب

حکم ہوا سر اٹھا دل کا ہے کیا مدعا
مانگ لے اپنا صلہ اب نہ رہے کچھ حجاب

عرض کی اے ذوالجلال امر کا ہے امتثال
میں ہوں گدا اور سوال یہ ہے بہ صد اضطراب

جس کا وسیلہ بنوں اُس کو عطا ہوں سُکوں

جس کی شفاعت کروں بس ہو وہی کامیاب

وحی کا تھا پھر نزول آئی صدا اے رسولؐ

تیری شفاعت قبول خلق میں اب جا شتاب

عقلِ مَلک آستاں لے کے چلی کارواں

حشر میں ہو گا عیاں کِس نے دیا کیا جواب

حق کی نظر میں رہا قافلۂ انبیاء

ایک ہے سب کا پتہ ایک حضور و غیاب

پیکرِ آدم میں عقل نور صفت نور اصل

ضد پہ چلا جس کی جہل ظلمتِ باطل خطاب

منکرِ سجدہ ہے جہل طالبِ سجدہ ہے عقل
جنگ چلی نسل نسل کون رہا فتح یاب

صبحِ ازل سے ملا سلسلۂ کربلا
سجدہ وہی بَر ملا پھر وہ دعا مستجاب

ہجرت الی الحق سے کام عہدِ خدا ہے امام
ساتھ ہے کوثر مُدام غیر کا ابتر خطاب

نفس کوئی مثلِ دل ساتھ رہے متّصل
جس سے عُدو ہو خجل منزلِ دشمن خراب

عقل مقامِ نبیؐ نفس مقامِ ولی
عقل ہے کنزِ خفی نفس ہے کشفِ حجاب

عقل ہے مشکل نُما نفس ہے مشکل کُشا

عقل ہے وقفِ عطا نفس ہے صَرفِ حساب

عقل ہے صبر و قرار نفس مگر ذُوالفقار

عقل پہ ہجرت کا بار نفس کو ایمائے خواب

شوقِ شہادت لئے نورِ ھدایت لئے

عہدِ شفاعت لئے رحمتِ حق کا سحاب

وارثِ کُل انبیاء، عازمِ سجدہ ہُوا

ساتھ وہ لشکر چلا جس کا عَلَم آفتاب

حافظِ اُمرِ اتم حق کی سِپر ہر قدم

تا بہ قیامت عَلَم عقل کا ہے ہمرکاب

نفس وہ ہاروں صفت رن میں علیؑ منزلت
نور سے ہے تربیت عقل سے ہے انشعاب

صبر و سکوں مجتبیٰؑ علم و یقیں مرتضیٰؑ
پیکرِ صدق و صفا جان و دلِ بوترابؑ

حجتِ حق کا ہے ناز نصرتِ حق امتیاز
قوتِ حق کارساز ہاتھ شفاعت مآب

زیرِ عَلم ہے وہی سجدۂ عقل آج بھی
رُوک لے کوئی شقی ہے جو کسی کو یہ تاب

قول میں یہ وصل ہے حشر میں یہ عقل ہے
نفس ابوالفضل ہے دوست ہوئے کامیاب

عقل و جہل

ذرّے ذرّے میں ہے تجلیٔ طُور

عقل و دل آج کیوں رہیں بے نور

یہ زمیں آسمان لیل و نہار

دشت و دریہ فضا جبال و بحار

کشتیاں بحر میں ہوا میں طیور

یہ حدیں اور وجود سے معمور

گل و گلزار پر بہار و خزاں

یہ بدلتے ہوئے زمان و مکاں

ذرّے ذرّے میں تجلیوں کا اثر

قطرہ قطرہ حیات کا مظہر

مہر و ماہ و ثوابت و سیّار
فاصلوں کی کہیں حدیں نہ شمار

وحدتِ نظم اور نظمِ دوام
کیا عبث ہے یہ کائنات تمام؟

یہ نظامِ مقاصدِ عالم
جس کا محور بنا بنِ آدم

مرکزِ کائنات یہ انساں
کیا یہ بے وجہ آ گیا ہے یہاں

یہ عناصر مرکّبات تمام
ہے تعقّل کو ایک دعوتِ عام

ہے تعقّل نظامِ کُل کی حیات
ہے اِسی عقل سے بشر کا ثبات

وحیٔ رب ہے کہ ہر نفس یہ بشر
عقل سے کام لے اگر ہے نظر

ربطِ اشیاء کو عقل سے جانے
وحدتِ باطنی کو دِل مانے

عقل ہی کا ہے یہ کمالِ اَتم
مُتشابہ جو ہو بنے مُحکم

عقل ہو یا کہ قلب و سمع و بصر
ایک ہی سمت میں ہے سب کا سفر

اپنی حد پر اگر کوئی رُک جائے
باہمی اختلاف کیوں کہلائے

جب ہو تعریفِ عقل میں ابہام
آئے قلب و حواس پر الزام

عقل جو صدق و کذب کو جانے
فسق و تقویٰ کو عقل پہچانے

حکم دے خیر و شر کو بتلائے
خوب و ناخوب کو یہ سمجھائے

فیصلہ دے کہ یہ ہے حق کا اثر
یہ بتا دے ہے کون باطل پر

صحبتوں کے اثر پہ حُکم کرے
چھوڑ دے پھر بشر جئے کہ مرے

ہے جو تعریفِ عقل میں اشکال
عقل اور دل میں چاہتے ہیں جدال

اکثریّت کا فیصلہ باطل
ہے یہ لا یعقِلون کا حاصل

ہے یہ قرآن اور یہ حجّت ہے
گر نہیں عقل تو نجاست ہے

ہے طہارت کے ساتھ مسِ کتاب
فاتقو اللہ یا اولی الالباب

عقل سے ہے عبادتِ رحمان
عقل ہی سے ہے اکتسابِ جنان

عقل خِلقت میں خَلقِ اوّل ہے
بزمِ امکاں میں سب سے افضل ہے

عقل ہے حفظِ تجربات کا نام
مکر سے دور جس کے سب احکام

عبد و معبود میں یہی حجّت
عقل پر ہے رسولؐ کی بعثت

ہے اسی کے لئے نزول وصعود
ہے اِسی کی کمی سے ضعفِ وجود

حشر میں ہے بقدرِ عقل حساب
اور اِسی وزنِ عقل پر ہے ثواب

حُسنِ باطن پہ حُسنِ عقل دلیل
اِس کی قوت بشر کی ہے تکمیل

حُسنِ اخلاق عقل کا ہے کمال
وجہِ بعثت بنے بصد اقبال

عقل ہر گام تازگی کی نوید
ہر نفس ارتقا ہے عقل کی عید

عقل ہی تو دلیلِ مومن ہے
قربِ واجب اِسی سے ممکن ہے

عقل ہے دینِ محکم کا مفہوم
کاشفِ نصّ و مرضیِ معصوم

عقل پر منحصر ہے طاعتِ رب
نہیں بے عقل پر عبادتِ رب

عقل کے ساتھ شرع کی تکلیف
عقل سے بندگی کی ہے توصیف

عقل سے ہے عِقال کا مقصود
حق کی پابند حق سے ہے محدود

جنسِ حیواں میں عقل فصلِ قریب
یہ ممیّز بنی بشر کا نصیب

جانور خواہشات رکھتے ہیں
جدّ وجہدِ حیات رکھتے ہیں

خواہشِ نسل و قوت و نوم یہاں
سب پہ غالب جبلّتِ حیواں

اور یہی تو ہیں خواہشاتِ بشر
جن میں انساں کی عقل ہے رہبر

اور انہی خواہشوں میں عقلِ نبیؐ
وحئ معبود کی نظر میں رہی

کیوں ہوس سے ہو عقل کی تعبیر
عقل کی وحئ رب میں ہے تفسیر

وحی میں عقل حُبِّ حق سے مراد
یہی مبدا ہے اور یہی ہے معاد

ہے اِسی عقل کو تو حُکمِ دعا
اور اُدھر اِستجب لکُم کی صدا

تابعِ وحی بن کے عقلِ بشر
عشقِ حق بن گئی ہے سر تا سر

عقل ہے مظہرِ جلال و جمال
حفظِ ماضی ہے عزمِ استقبال

دیدنی ہے محاذ پیمائی
عقل اور جہل کی صف آرائی

کیوں رہے عقل و عشق میں پیکار
عقل ہے حق کا عشق آخرِ کار

ہاں یہاں زور آزمائی ہے
عقل اور جہل میں لڑائی ہے

میمنہ، میسرہ معونہ سب
قلب میں شہسوار آگئے اب

قدرتاً عقل ہی کی شاہی ہے

جہل میں ضد ہے اک تباہی ہے

عقل کو خیر سا وزیر ملا

جہل میں ضد ہے شر مشیر ملا

عقل کے ساتھ اِس طرف ایماں

جہل کے ساتھ کفر اور طغیاں

اِس طرف شکر اُس طرف کُفران

ہے اِدھر ذکر تو اُدھر نِسیان

یہ سعادت اُدھر شقاوت ہے

یہ مودّت اُدھر عداوت ہے

ہے اِدھر توبہ اور اُدھر اِصرار

ضدِّ تسلیم پر ہے اِستکبار

یہ امانت ہے وہ خیانت ہے
ضدِّ انصاف پر حمیّت ہے

اِدھر اخلاص اُس طرف ہے ریا
اور حکمت کے سامنے ہے ہَوا

معرفت اِس طرف اُدھر انکار
جہل مغرور عقل استغفار

عقل ہے عدل اور جہل ہے جَور
حق و باطل کی جنگ کا ہے یہ طَور

اِس طرف ہے وفا کے ہاتھ عَلم
غَدر کا اُس طرف کھلا پَرچم

کربلا عقل و جہل کی پیکار
ہے جہاں حسن و قُبح برسرِ کار

کربلا استقامتِ انساں

کربلا صورتِ عمل میں اذاں

کربلا صدق وکذب کی پہچان

بالمقابل ہے صبر اور عُدوان

کربلا وہ جہاں قدم نہ ہٹیں

دل بڑھیں اور بھی یہ سَر جو کٹیں

کربلا صَرفِ اختیارِ بشر

کہ رہِ حق میں عمر یوں ہو بسر

کربلا روح و معنئ ہجرت

غیرِ حق سے ہے سوئے حق رحلت

کربلا عقل ہے وہ عقل جہاد

حفظِ حق جس جہاد سے ہے مراد

کربلا عقل کی کوئی حد ہے

مظہرِ مقصدِ محمدؐ ہے

کربلا مطلعِ محمدؐ و آل

کربلا ہے علیؑ، علیؑ کا جلال

کربلا اک مِنائے الفت ہے

کربلا موقفِ شہادت ہے

تہِ خنجر بھی عقل و دل ہیں گواہ

کربلا لَا اِلٰہ الا اللہ

مطمئن دل وہ تین روز کی پیاس

عزمِ پیہم نہ غم نہ خوف و ہراس

اک یقیں اور گلے میں ہے پیکاں

علمِ حق اور دل میں نوکِ سناں

نصرتِ حق کٹے ہوئے بازو

شکر کا سجدہ اور تیغ و گلو

فتح کی شان وہ جلے ہوئے گھر

پردہ اُمّت کا اور کھلے ہوئے سَر

ذکرِ مظلوم کر رہے ہیں سبھی

پردے والے ہیں اور دربدری

یہ علامات ہیں یہ رمزیّت

دِل میں ہو کربلا بہر صورت

معرکہ عقل و جہل کا ہو جہاں

کربلا کربلا ہو وردِ زباں

خالقِ کربلا بمنزلتِک

ماعرفناک حق معرفتِک

ہوائے دوست میں فکرِ صراط کیا کرتے
زمیں پہ پاؤں نہ تھے احتیاط کیا کرتے

شراب نام ہے خود ساختہ تغافل کا
خرد کو آگ لگی تھی نشاط کیا کرتے

جو ہم نشیں تھے گل و خار کہہ دیا ہمسر
فریبِ عہد ہے یہ، بے بساط کیا کرتے

قدم قدم پہ نئے گُل کھلا رہی تھی ہَوس
حیا سے گَڑ گئے ہم انبساط کیا کرتے

رچائے بیٹھے ہیں ہر موڑ پر جو عشق کا ڈھونگ
جُنوں کو عقل سے کیا ارتباط، کیا کرتے

گراں ہیں گوش، نظر میں ضرر، خرد میں فساد
تلاشِ طُور، دمِ انحطاط کیا کرتے

خمیرِ نورِ ولایت ہے اُن کی طینت میں
پھر آب و گل سے رشیدؔ اختلاط کیا کرتے

سفرِ زیست کو لازم ہے ہر اک گام چراغ
جیسے جلتے ہوں سرِ رہ گزرِ عام، چراغ

کیا سحر تک کوئی جلنے کی تمنّا کرتا
بجھتے دیکھے ہیں اِسی دل نے سرِ شام چراغ

منتظر آنکھ میں خود ہے کوئی تارا روشن
کیوں جلاتا ہے فلک شام سے گمنام چراغ

جاگنے والے محبّت میں یہی جانتے ہیں
ہجر کو کہتے ہیں شب داغ کا ہے نام چراغ

شوق سے آپ جلائیں مگر اِتنا سُن لیں
زرد ہو جاتا ہے خود صبح کے ہنگام چراغ

کارواں جاتا ہے، لے صبح ہوئی چونک رشیدؔ
اب کہیں اور جلا جا کے سرِ شام چراغ

کس کی عطا ہے کس کی یہ دولت ہے دی ہوئی
آیا جہاں اندھیرا وہیں روشنی ہوئی

حدِّ نظر ہے اور، ہے کچھ اور حدِّ علم
ہر شے میں کوئی شے ہے یقیناً چھُپی ہوئی

بازارِ زیست میں ہے امانت ہر ایک جنس
فی الحال ایک جان ہے وہ بھی بِکی ہوئی

جن کو خزاں میں صبر و سکوں سے مِلا قرار
آئی بہار اُن کا پتہ پوچھتی ہوئی

ساتھی اگر جہاد کا ہے بے وفا نہیں
اِس راہ میں خدا کے لئے دوستی ہوئی

یہ حال ہے گذشتہ اندھیرے بھی ساتھ ہیں
یہ ضد ہے شمع ہاتھ میں ہو اور بُجھی ہوئی

نیّت بخیر ختم سفر ہے خدا گواہ
اک زندگی کی فکر میں یہ زندگی ہوئی

اپنی اضافتوں سے ہے کچھ تازگی رشیدؔ
انسان سُن رہا ہے کہانی سُنی ہوئی

حوّائے عالمِ عقلی

عقل کی عید ہے تسلسلِ فکر
لذتِ مستقل ہے جس کا ذِکر

ہر نفس انکشاف اک لذت
دل کو رفعِ حجاب سے فرحت

جب تجلّی کرے حقیقتِ شے

پھر تو ہر انعکاس لذّت ہے

ربِّ زِدنی سے مُدّعا یہ مِلا

کچھ تو سمجھیں حقیقتِ اشیاء

طولِ ہر لفظ میں معانی کو

لذتِ عقل و آگہی سمجھو

پتّے پتّے میں ہیں ھزاروں راز

ذرّہ ذرّہ ہے مہر کا دم ساز

ایک ظاہر کے سیکڑوں باطن

پردہ اٹھنے کی دیر ہے لیکن

ہے رسائی حواس کی جس جا

ہے وہی حدِّ ظاہرِ اشیاء

عقل رفعِ حجاب کی خواہاں
جلوہ الہام کا یہیں سے عیاں

ایک اشراق اور یکایک نور
یعنی ہر غیب کے لئے ہے حضور

گویا ہر دَم عمل یہ فطرت کا
کوئی پنہاں تھا آشکار ہُوا

اور یہیں سے کُھلے مدارجِ علم
سب پہ ظاہر ہوئے معارجِ علم

ارتقا ہر قدم پہ لذّت ہے
علمِ تازہ بڑی مسرّت ہے

یعنی کوئی جو تھا حواس سے دُور
بن گیا اِس طرح نگاہ کا نور

رازِ کونین خود ہے نفسِ بشر
سرِّ غیبت برائے عقل و نظر

نفس عامل ہے جسم ہے معمول
فیضِ کُل نفس جسم ارضِ قبول

زندگی سے یہ آشکارا ہے
غیب کا ہر نفس سہارا ہے

اب ہے ایمان غیب پر لازم
سب کی ہستی اِسی سے ہے جازم

کوئی منکر ہو اُس کا دل ہے مُصر
غیب سے دُور زندگی ہے مُضر

لذّتِ عقل کا یہ ہے مقصود
ہر نفس پر ہو ربطِ غیب و شہود

ساری دنیا کو غیب کی ہے تلاش

ہے یہی انتظار کچھ ہو فاش

جو خدا ناشناس بنتا ہے

خود پریشاں ہے رازِ کُل کیا ہے

شکل و صورت میں مختلف ہے نمود

اور ماہیتوں کے سب یہ حدود

اصل اِن کی مگر ہے ایک وجود

جو کبھی غیب ہے کبھی ہے شہود

ربطِ اشیاء کا ایک ہے قانون

مدّعا ایک مختلف مضمون

اِس ثرا سے وہاں ثُریّا تک

اور اِدھر پھر سَما سے تا بہ سَمک

اک تصرّف ہے ایک ہی ملکوت

جس کے تابع ہے عالمِ ناسوت

اس تسلسل کا ہو اگر اِدراک

دل پہ کُھل جائیں معنیٔ لولاک

کیوں رہے کائنات بے مقصد

ربطِ اشیا سے مل رہی ہے سند

ایک ہی حُکم سب پہ جاری ہے

ایک ہی فکر دل پہ طاری ہے

یہ ہم آہنگیٔ زمان و مکاں

ربط ہر شے میں ہے عیاں کہ نہاں

یہ اندھیرا ہے یہ سویرا ہے

رحمتِ کُل نے سب کو گھیرا ہے

ہے یہی وحدت و دوامِ نظام
یعنی رحمانیت ہے لطفِ عام

ہے یہ احساسِ لطف و فیضِ کرم
اک تقاضائے شُکرِ ربّ ِ نعم

بندگی کا ہُوا یہیں آغاز
غیب سے متّصل ہے عقلِ نیاز

اور یہی ہے سپردگی کا مقام
یعنی تسلیم کا تصورِ عام

شانِ تسلیم مرضئ محبوب
دخل اپنا جہاں بنے معیوب

اُس کی مرضی سے نیک و بد کی شناخت
اُس کا منشا ہر ایک حد کی شناخت

غیب سے متّصل ہیں کچھ بندے

جسمِ عالم میں دل ہیں کچھ بندے

ہے یہی دل تو وحی کی منزل

امرِ رب عبد سے جہاں شامل

کچھ اشارے مقطّعات بنے

جو مُفصّل تھے مُحکمات بنے

دورِ تنزیل اِس طرح گزرا

حق کا فرمان سب کا سب آیا

دَورِ تدوین میں نصوصِ نبیؐ

شرح پا کر بہم ہوئے ہیں سبھی

دَور یہ جب کمال پر آیا

اِذن پھر اجتہاد نے پایا

یعنی بنیاد نص سے ہو محکوم

منکشف ہو ارادۂ معصوم

اجتہاد اپنا انتظار بنا

یعنی اب ہے زمانۂ اجرا

یعنی اب غیب ہے قریبِ شہود

یعنی وہ پیکرِ سلام و دُرود

مطلعِ فجر سے قریب ہے وہ

طالعِ روشن نصیب ہے وہ

دم بہ دم ہے نزولِ روح و مَلک

چشمِ بیدار اب ہے سوئے فلک

درِ اقدس پہ سب سوالی ہیں

دامن اِن سب کے آج خالی ہیں

آ گئے آ گئے کی ہو پھر دُھوم
کچھ تو ہو مطمئن دلِ مظلوم

پھر محمدؐ کی شان ہو مطلق
ذھق الباطل است وجاء الحق

دَورِ اجرا میں کیا ہے قال وقیل
سِرِّ تنزیل ہے یہی تاویل

وقتِ تعبیر حجّتِ زہراؑ
دورِ اظہارِ قدرتِ زہراؑ

جیسے ہے متّصل دعا و قبول
اثرِ آہ و ضبط و صبرِ بتولؑ

مدعا جس کا ہے ظہورِ امام
مقصدِ حق کا ہے یہی اتمام

مرضئ حق بصیرتِ احمدؐ

فاطمہؑ کے سُکوت کا مقصد

انتظارِ ظہورِ امرِ اِلٰہ

حاصلِ لا اِلٰہ الا اللہ

یعنی جب قوتیں ہوں لامحدود

اور ہٹ جائیں سب حدود و قیود

حق و باطل کا پھر دِکھا دے فرق

ایک آواز غرب سے تا شرق

عرش سے فرش ہر گھڑی ہر آن

سَیر میں متّصل زمان و مکان

چُوم کر حق کے آستانوں کو

خود اُگل دے زمیں خزانوں کو

لوگ سمجھیں ہے کیا چلن باطل
حق کا پہنے نہ پیرہن باطل

صاحبِ امر کو مقامِ امر
دے رہا ہے فقط بتولؑ کا صبر

فاطمہؑ صورتِ اتمِ کمال
پردۂ صبر حق میں حق کا جلال

فاطمہؑ عالمِ جلی و خفی
یعنی حوّائے عالمِ عقلی

لے کے جانا ہے حشر تک سب کو
ساتھ رکھنا ہے مرضئ رب کو

ختم جس جا ہو سیرِ جنّ و بشر
روزِ محشر حضوریٔ داور

عقلِ زہراؑ ہے، گھر رہے مظلوم

پئے مظلوم جذبِ دل معلوم

ہر زمانے میں اِتنا جذب رہے

قلبِ مومن میں اِن کی قبر بنے

فوجِ حق کو یہ راہ دکھلائیں

یہ عَلم بن کے حشر تک جائیں

فاطمہؑ کا یہ فیصلہ سُن لو

خلق میں اہلِ درد کو چُن لو

ساتھ جانا ہے اُن کو محشر تک

پھر یہ لے جائیں ہم کو کوثر تک

پھر مقامِ شفاعتِ زہراؑ

ہر نبیؑ و ولی کا عہد بنا

اِس شفاعت کی حشر میں رُوداد
مقصدِ مبدا، ومفادِ معاد

شجرِ نورِ حق نبیؐ و علیؑ
فاطمہؑ رمزِ کوکبِ دُرّی

فاطمہؑ مُدّعا نبوت کا
فاطمہؑ سلسلہ ھدایت کا

فاطمہؑ ھَل اتیٰ کی شانِ نزول
فاطمہؑ روح و اصلِ نسلِ رسولؐ

فاطمہؑ جان و اُمِ اَبیھا کی
فاطمہؑ جس میں حق کی بیبا کی

فاطمہؑ آیتِ جلیٔ خدا
فاطمہؑ مطلقاً ولیٔ خدا

فاطمہؑ یومِ دین کا اِتمام

فاطمہؑ صبحِ بندگی کی شام

اس حقیقت کو کوئی کیا جانے

کنزِ مخفی کو کون پہچانے

دلِ ناواقفِ قضا و قدر

جس پہ روشن نہیں ہے خیر و شر

بے خبر بَداء کی حقیقت سے

ناشناسا رہِ مشیّت سے

شُبہ جس کو وجودِ حجّت میں

بے یقینی ہے جس کو رَجعت میں

عقل کی جس جگہ نمود نہ ہو

عدلِ حق کا جہاں وجود نہ ہو

جو نہ جانے خموشیٔ حق کو
جو نہ سمجھے کمالِ مطلق کو

جو نہ جانے کہ خاتمہ کیا ہے
کیا خبر اُس کو فاطمہؑ کیا ہے

وہ جو اک قطرہ ہے پانی کا ہوا سے خالی
دلِ دریا میں ہے اور فکرِ فنا سے خالی

اب خلش ہے کہ نہیں پوچھنے والا کوئی
ہائے وہ گھر جو ہو سائل کی صدا سے خالی

فطرتِ ظُلم جو دَم لے، تو سنبھل کر دیکھو
کتنے ترکش ہیں یہاں تیرِ جفا سے خالی

ہے نتیجے میں وہ ناکام، زمانے کی قسم
زندگی جس کی رہے کرب و بلا سے خالی

دیدنی نور سے ہے نار کا یہ فصلِ قریب
دل ہی دوزخ ہے جو ہو صدق و صفا سے خالی

میں ہوں صیّاد قفس میں تو رہے ذکرِ قفس
اب رہا گھر تو رہے تیری بلا سے خالی

باغباں دل پہ گراں، سخت گراں ہے یہ بہار
پھول ہی پھول مگر بوئے وفا سے خالی

غفلت اک سانس کی رستے سے ہٹا دیتی ہے
دلِ بیدار رہے اِمکانِ خطا سے خالی

زندگی کو تو بہر حال گذرنا ہے رشیدؔ
کام آجاتے ہیں پھر بھی یہ دِلا سے خالی

ارمان نکلتے دلِ پُرفن کے برابر
ویرانہ جو ہوتا کوئی گلشن کے برابر

کیوں اہلِ نظر ایک ہے دونوں کی طبیعت
سُنبل نے جگہ پائی جو سوسن کے برابر

میں دام پہ گرتا نہیں اے ذوقِ اسیری
ہاں کوئی قفس لائے نشیمن کے برابر

میں بھول نہ جاؤں کہیں انجامِ تمنّا
بجلی بھی چمکتی رہے خرمن کے برابر

کیا لطف اندھیرے کا، اُجالے میں تو آؤ
پھر داغ نظر آئیں گے دامن کے برابر

اُتنی تو محبّت ہو کہ جتنی ہے عداوت
میزان میں ہر دوست ہو دشمن کے برابر

لازم ہے اندھیرے کا اُجالا وہ کہیں ہو
تاریک ہے اک رُخ مہِ روشن کے برابر

بس طُور جلا اور اِدھر غش ہوئے موسیٰؑ
لوگ اور بھی تھے وادیٔ ایمن کے برابر

اب جائے جہاں قافلۂ دہر تر آبی
رہبر نظر آتا رہے رہزن کے برابر

ہر جگہ آپ قاف سے تا قاف
میرا گھر بھی نہیں قصور معاف

بڑھ کے کون و مکاں کو گھیر نہ لے
ہے لہو صبح و شام کے اطراف

کچھ تو کہہ رسم و راہ کے دشمن
یہ خدا کا مکان اور غلاف

دست و پا، چشم و گوش سب اپنے
اب ہیں کِس کے گواہ کِس کے خلاف

یہ مکاں آپ کا سر آنکھوں پر
میں ہوں اور میری حسرتوں کا طواف

ہر اندھیرے میں ظلم ہوتا ہے
روشنی آگئی تو ہے انصاف

وہ کسی کا ہو درد، دل تڑپے
سُن لیا خیر میں نہیں اسراف

ہر زمیں پر ہمارا خرمن تھا
ذکرِ اسلاف تا بہ گے اخلاف

پھر پتنگوں نے سمت بدلی ہے
شمع روشن نہ ہو تو کس کا طواف

حسن اور عشق وقفِ عام سہی
اپنی نسبت کے ساتھ ہیں اوقاف

فکرِ دامن میں رہ گئی دنیا
اِس طرف ہو گیا گریباں صاف

بے خودی میں رشیدؔ کی گزری
آپ سمجھیں اِسے نہ لاف و گزاف

اندھیرے میں اضافہ ہو گیا، یہ روشنی کیسی
ارے یہ رہبری کا نام لے کر رہزنی کیسی

حضورِ دید کے طالب کچھ آخر کر کے دکھلاتے
ہوائے زندگی لے کر عمل میں مُردنی کیسی

دلِ پُر آرزو ملتا فرشتوں کو تو لطف آتا
جہاں تقدیر میں دامن نہ ہو تر دامنی کیسی

اُمیدِ سرپرستی سایۂ موہوم سے کب تک
ہُما سے کیا گِلہ کیجے فلک سے بدظنی کیسی

کوئی غم ساز ہو تو سازِ غم پُرکیف ہوتا ہے
مِری بالیں پہ ہے وہ جاں نواز اب جانکنی کیسی

نمودِ صبح ہے چہرے کے پُرفن رنگ دُھو ڈالو
گئی وہ شب کی محفل اب یہ جُھوٹی ٹنٹنی کیسی

حقیقت کیوں چھپاؤں ابتدا جب آپ نے کی ہے
کہانی چھِڑ گئی اب گفتنی ناگفتنی کیسی

دلِ حق آشنا اور صحبتِ ناآشنا توبہ
ترابی محوِ حیرت ہے کہ دونوں میں بَنی کیسی

ذکرِ ستم رَوا ہے یہ صوتِ کرخت تک
انساں نہ تڑپے، موم ہوا اک سنگِ سخت تک

اب بھی نظر فلک کی ہے مجھ پر جمی ہوئی
میں نذر دے چکا جگرِ لخت لخت تک

اے نازِ خسروانہ بہت ہو چکا غرور
تختہ پہنچ رہا ہے ابھی تیرے تخت تک

یہ ہے جلالِ حسن یہی خیر و صدق و عدل
ناحق نہ جا سکا تیرے حقدار بخت تک

اِنکارِ سجدہ پر وہ نکالا ہوا رجیم
پھر کیا ہوا کہ خلد میں پہنچا درخت تک؟

حیراں نہ روح و تن ہوں کہیں حشر میں رشیدؔ
محدود اب عمل ہو فقط زاد و رَخت تک

ذکرِ ستم رَوا ہے یہ صوتِ کرخت تک
انساں نہ تڑپے، موم ہوا اک سنگِ سخت تک

اب بھی نظر فلک کی ہے مجھ پر جمی ہوئی
میں نذر دے چکا جگرِ لخت لخت تک

اے نازِ خسروانہ بہت ہو چکا غرور
تختہ پہنچ رہا ہے ابھی تیرے تخت تک

یہ ہے جلالِ حُسن یہی خیر و صدق و عدل
ناحق نہ جاسکا تیرے حقدار بخت تک

اِنکارِ سجدہ پر وہ نکالا ہوا رجیم
پھر کیا ہوا کہ خلد میں پہنچا درخت تک؟

حیراں نہ روح و تن ہوں کہیں حشر میں رشیدؔ
محدود اب عمل ہو فقط زاد و رَخت تک

وقت

گردشِ ارض و مہ و خورشید و انجم کا نظام
اک تغیّر کا ہے خالق، وقت شاید جس کا نام

وقت یعنی اک زباں زد لفظ ہے، خارج زِ وصف
جو نہیں منّت کشِ تعریف، ایسا عرفِ عام

چند ٹکڑے ہیں زمانے کے تسلسل میں کہیں
یعنی پہنائے فضا میں نقطہ ہائے ارتسام

کہتے ہیں یہ وقت، قاطع ہے کوئی تلوار ہے
سیل و باد و برق و ظلّ وراہ جس کے اور نام

کوئی کہتا ہے ہمارا وقت تھا جو جا چکا
کوئی کہتا ہے کہ وقت آئے گا اپنا لا کلام

کس طرح آتا ہے وقت اور کس طرح جاتا ہے وقت
مُبتدا ہے یا خبر، پیغامبر ہے یا پیام

کوئی سیلابِ مسلسل ہے حقیقت میں یہ وقت
ہم تماشا کر رہے ہوں، یہ گزرتا ہو مُدام

یا تو ہم رفتار میں اپنی سریع السیر ہیں
وقت اک انداز پر قائم ہے، ہم ہیں تیز گام

یا مخالف سمت پر ہوتی ہے ہم دونوں کی سیر
یا ہیں دونوں ہم سفر، وہ تیز ہے ہم سست گام

ہم نے کاٹا وقت کو یا وقت نے کاٹا ہمیں
یا یہ دونوں کٹ رہے ہیں اور کسی کا حکمِ عام

کیا غضب ہے ہر قدم پر غیر کا محتاج ہوں
مرضئ اغیار پر ہے وقت کا میرے قیام

وقت میرا اور رہینِ دورِ خورشید و قمر
وقت میرا اور زمیں کی گردشِ پیہم کا نام

کیوں نہ یہ سمجھیں کہ وقت اپنا اضافی ہو گیا
گردشِ عالم پہ جب ہوں منحصر سب اپنے کام

وقت میرا شیشۂ ساعت میں ذرّے خاک کے
وقت میرا سایۂ اشجار سے ہو فیض کام

ابنِ آدم مقصدِ تخلیقِ میرِ کائنات
ڈھونڈتا ہے ہر قدم پر دوسروں کی صبح و شام

صبح میری ہے جو مجھ پر رحم کھائے آفتاب
شام میری ہے جو مغرب میں اُفق ہو لالہ فام

وقت کی خاطر ہر اک گردش کی محتاجی ہوئی
یہ فقیری روز و شب کی، یہ گدائی صبح و شام

وقت کی میں بھیک مانگوں، کیا یہ ہے منشائے وقت
مجھ پہ کیوں طاری ہے آخر وقت کا معیارِ عام

سب کا یکساں وقت ہو جائے خلافِ عدل ہے
ہے جُدا سب کے لئے اک ابتدا، اک اختتام

وقت میرا میں بتاؤں، ہے یہ نبضِ بے قرار
وقت میرا میرے اس دل کی ہر اک دھڑکن کا نام

اِس لہو کی ہر اُچھلتی بوند میں اک وقت ہے

ہر نفس کی آمد و شُد ایک ساعت کا نظام

ذرّے ذرّے کیلئے ہے اُس کی ساعت اُس کا وقت

اُس کا اپنا کیف و کم ہے اُس کی اپنی صبح و شام

میری سب گھڑیاں، مرے اوقات، میری زندگی

یہ ہے میرا وقت میرے ہاتھ میں اس کی زِمام

چند گنتی کے نفس ہیں جن کا مجموعہ حیات

اور ناقدری نفس کی زندگی کا اختتام

غفلتِ پیہم سے ظاہر اختصارِ زندگی

قدر کی ساعت میں بیداری ہے ہستی کا دَوام

اک دقیقہ کس کو کہتے ہیں مجھے احساس کیا

وقت کا اِک کم سے کم حصّہ زِروئے انقسام

اِس دقیقے کو مگر وہ وسعتیں بھی دی گئیں
زندگی بھر میں احاطہ جن کا سعئ ناتمام

ہے شعاعِ مہر کی یہ تیز رفتاری مثال
کچھ دقیقوں میں فلک سے ارض تک جس کا خرام

دعوتِ فکر و نظر ہے سُرعتِ رفتارِ نور
پھیلتی ہیں جب شعاعیں، ہے نظر کو اذنِ عام

سوچ اے ناداں یہ مہر و ماہ و انجم سب کے سب
ایک انساں کے مقابل ہیں ہے اب تک جنسِ خام

جس طرح لحظوں، دقیقوں پر ہے ساعت منقسم
اِس طرح سے ہر نفس کا بھی ہے ممکن انقسام

ایک پتّہ جس کی وقعت چشمِ ظاہر میں نہیں
ذرّہ بیں نے دیکھ ڈالے اس میں لاکھوں ہی مسام

ایسے ہی ہر سانس میں لاکھوں ہیں دبے قدر کے

چشمِ بینا کے لئے ممکن ہے یہ بھی ارتسام

گر رہِ حق میں نفس کا ایک اک حصّہ ہو صرف

پھر عمل ہو مستمر اور ہو حیات ایسی دوام

پھر تو ایسے وقت سے دنیا مِلا لے اپنا وقت

اور اِن ہی ساعتوں پر ہو دو عالم کا نظام

مشرق و مغرب میں گھومے لحظہ کچھ باقی ہی تھا

عرش تک جا کر پلٹ آئے، دقیقہ ناتمام

وزن میں اپنے عبادت دو جہاں کی کم رہی

اک دقیقے میں چلی تلوار، نکلا حق کا نام

ایک ایسا نفس جو بِک جائے حق کی راہ میں

صدقے اُس کی نیند پر عالم کی بیداری تمام

وقت کو اپنا بناتے ہیں خداوندانِ وقت

اور دو عالم کو انہی کے وقت سے پڑتا ہے کام

وقت اِن کا یہ کسی کے وقت کے تابع نہیں

یہ مہ و خورشید اِن کے وقت کے طائر بہ دام

ہاں یہیں رُک جائے چلتے چلتے اک دن آفتاب

ہاں یہی تشریحِ وانشقّ القمر کا ہے مقام

ایک طاقت جذب کی ہے ایک طاقت دفع کی

عقل نے ثابت کیا ہے دو ہُوا اور ایک بام

ذرّے ذرّے میں ثرا سے تا ثریّا دفع و جذب

ہے بہ حدِّ ظرف ان دو طاقتوں کا انضمام

ہے بشر طاقت میں جذب و دفع کی سب سے قوی

اور پھر خیر البشرؐ کی طاقتوں میں کیا کلام

یعنی جس دم جذب نے چاہا ہُوا کوئی قریب
دفع سے پھر اُس کو واپس مل گیا اُس کا مقام

فکر یہ تھی کیسے ہے ممکن قمر کا انشقاق
منقلب کیوں کر نہ ہو جائے زمیں کا یہ نظام

قوتِ مطلق کے آگے شکل یہ بھی سہل ہے
ناتواں کو غیر ممکن ہو تو ہو یہ انصرام

جذب سے کھینچا قمر کو اُس کی طاقت توڑ کر
دفع سے روکا زمیں کو تا نہ اُلٹے یہ نظام

چاند سورج کی پرستش میں بشر ہے آج تک
کیا خبر اِس کو کہ قوت کا ہے کس پر اختتام

تا بہ سرحدِ زباں لا اَعبُدُ مَا تعبدُون
اور دل میں آج تک ہے لات وعُزّیٰ کا مقام

اب تک ابعادِ ثلاثہ میں ہے یہ اُلجھا ہوا
اب تک اصنامِ اضافی کا ہے دل میں احترام

ڈوبتے تاروں کو اس نے آج تک دیکھا نہیں
بس طلوعِ نجم سے تارِ نظر کو اس کے کام

ھٰذا ربّی کہہ رہا ہے ہر چمکتی چیز کو
لا اُحِبّ الآفلیں کیوں کر کہے، یہ ہے غلام

جو ہوا طالع اُفق پر اُس کو لازم ہے غروب
گردشِ پیہم سے ٹوٹے جا رہے ہیں سب کے جام

ایک یا ہر ایک میں پنہاں ہے کُل نفع و ضرر
ایک سے بھاگے ہوئے ہر ایک کے دامن کو تھام

ایک ہی کے وقت کا مرہونِ منت میں رہوں
دوسروں کے وقت پر اے کاش جینا ہو حرام

وقت کے اس راز کی وَالفجر میں تفسیر ہے
یعنی جس دن کے لئے تھا دس شبوں میں اہتمام

تھی جہاں ہر شب، شبِ قدر انفرادی شان سے
ایسی دس راتیں تھیں جس کا ایک دن ہم احترام

ایک ایسا دن کہ جس میں ایک ہی سے ربط تھا
ربط بھی ایسا کہ یہ تھا عبد وہ رَب کا مقام

صبح سے تا عصر کچھ محدود ہی تھیں ساعتیں
دوپہر میں کس قدر مصروف تھے وہ شادکام

کچھ دقیقوں کا وہ سجدہ قدر کی کُل روح تھی
منقسم ہو جائے عالم پر تو نکلیں سب کے کام

اپنے وعدہ کا جنہیں تھا زندگی بھر انتظار
وقت پر مرنے کا جن کے ہو رہا تھا اہتمام

سب ہی جیتے ہیں مگر ہے وقت پر جینے میں لطف
سب ہی مرتے ہیں مگر ہے وقت پر مرنے میں نام

وقت کو تو ہم نے کاٹا وقت سے اب کیا گِلہ
زندگی بے قدر گزری موت پر کیا اتّہام

وقت سارا منحصر ہے قدر پر، گر یہ نہ ہو
پی کے آبِ زندگی انساں رہے گا تشنہ کام

اپنی قیمت میں شبِ قدر الفِ شہر سے سوا
یعنی قیمت قدر پر موقوف ہے بالالتزام

گر بشر کو قدر ہو تو ہر نفس خود پھیل جائے
نور کی رفتار سے اُس کا عمل ہو تیز گام

دہر کی صدیاں ہیں گویا کچھ دقیقے نور کے
گر بشر نوری ہو طُولِ عمر میں پھر کیا کلام

نور میں پنہاں ہے کوئی کچھ دقیقوں کے لئے
اور ہم صدہا برس سے منتظر ہیں صبح و شام

جس کا اپنا وقت ہو اور جس کو اپنا انتظار
ہے وہی قائم جسے حق نے دیا مطلق قیام

پھر اضافت ہے، اگر بدلے مکاں بدلے زماں
لامکاں ہے عصر کا حاکم زمانے کا امامؑ

اے الٰہی شانِ غیبت، آپ ہیں روحِ درود
اے محمدؐ کی حقیقت، آپ ہیں عینِ سلام

اور کتنی دیر ہے اب صبح ہونے میں حضور
اور کب تک ہم کو رُلوائے گی یہ غربت کی شام

ہے فضا میں اب بھی اک معصوم ہچکی کی صدا
جیسے دم توڑے کوئی ننھا سا بچّہ تشنہ کام

کوئی بچّی چیختی پھرتی ہے شاید دشت میں
جل رہا ہے جیسے اُس کے جسم کا کُرتہ تمام

لُٹ رہا ہے کیا کہیں صحرا میں کوئی قافلہ
اک دھواں سا ہے کہ جیسے جل رہے ہوں کچھ خیام

گیارہویں کے چاند سے تفصیلِ محشر پوچھ لے
بارہویں سردار، سُن لے اب یہ عرضِ ناتمام

العجل اے وارثِ خونِ شہیداں العجل
انتقام، اے منتہائے آہِ زہرا، انتقام

مجبور ترے ذکر سے ہیں ذکر نہیں اور

لیکن ہے اثر اِس کا کہیں اور، کہیں اور

اے جذبِ سفر خستگیٔ شوق مبارک

رُکتے ہیں قدم، دل کی ہے آواز نہیں اور

یہ راکھ یہ چنگاریاں اِس شاخ کے نیچے

کیا اپنے بھی تنکوں کو رکھوں لا کے یہیں اور

جب نقشِ قدم اُن کے مٹاتا ہے زمانہ
ہر نقش کو لے لے کے اُبھرتی ہے زمیں اور

معلوم ہے پروانے حقیقت میں ہیں کتنے
وہ شمع بجھاتے ہیں کہ ہو جائے یقیں اور

دن ڈھل گیا بیٹھا ہوں گزرگاہ میں اُن کی
ایسے میں وہ آجائیں تو مر جاؤں یہیں اور

میں آپ کو ڈھونڈ آیا ہوں امکاں کی حدوں تک
اب آپ مجھے ڈھونڈ کے لے جائیں کہیں اور

اے قافلہ سالار ترا آبی پہ کرم کر
وہ ایک نہیں بیٹھے ہیں کچھ خاک نشیں اور

نظر شناس رفیقوں کا ساتھ جب چھوٹا
چمن کا ذکر جو کرتے تھے روز و شب، چھوٹا

غضب ہِراس تھا جس دن ہٹے نشیمن سے
عجیب یاس سے دل نے کہا کہ "اب" چھوٹا

وہی ہے عقل کے نزدیک احتجاج کی روح
جو راز بن کے کوئی حرف زیرِ لب چھوٹا

یہ حسن و عشق کی باتیں سہی، وقار گیا
کسی کے ہاتھ سے جب رشتۂ ادب چھُوٹا

بہانہ ڈھونڈتی ہے مصلحت رہائی کا
اسیر کیا کوئی زنداں سے بے سبب چھُوٹا

ہمارے اور بھی ساتھی تو اُس قفس میں تھے
ذرا سی دیر کو سوچو تو کون کب چھُوٹا

زمانہ ساز جو یہ پیرہن پہن کے چلے
نمی ہوا میں بھی آئی تو رنگ سب چھُوٹا

رشیدؔ قدر کے قابل ہے کچھ وہی انساں
جو ناکسوں میں گھِرا اور بصد تعب چھُوٹا

آپ کھائیں قسم زمانے کی
ہو یہ سرخی مِرے فسانے کی

زندگی کی بہار لے کے گئی
ہائے وہ شام آشیانے کی

دے کے دل ہوشِ بندگی بھی دیا
انتہا ہے یہ آزمانے کی

پھول کوئی سہی کہیں بھی کھِلے
خاک ہے اُن کے آستانے کی

صبح ہونے کو ہے کہو تارو
کچھ خبر آئی اُن کے آنے کی

کچھ اندھیرا ہے کچھ اجالا ہے
یہ ہے تصویر ہر فسانے کی

دیکھتے دیکھتے یہ رات گئی
داستاں رہ گئی سُنانے کی

اپنا جانا رُکا ہوا ہے رشیدؔ
دیر ہے صرف اُن کے آنے کی

کیا بتاؤں کشمکش کب سے حق و باطل میں ہے
یہ فسانہ کچھ زباں پر ہے بہت کچھ دل میں ہے

کتنی طوفاں خیز موجیں سر جھکا دیتی ہیں روز
کس قدر خاموش ہیبت فطرتِ ساحل میں ہے

اپنی اپنی راہ میں دونوں ہیں مصروفِ عمل
فرق اک نیّت کا لیکن بسمل و قاتل میں ہے

ہر فسانہ کیف زا ہے اپنے افسانے کے ساتھ
درد دنیا کا ہے جب تک درد اپنے دل میں ہے

میں زمانہ ساز بنتا لیکن اے عقلِ غیور
تیری چاہت کا خمیر اب تک اِس آب و گل میں ہے

دیکھئے کیا حشر ہو رستے میں ہوں، نیّت بخیر
پاؤں تھک کر رہ گئے ہیں، دل مگر منزل میں ہے

چند آنسو، چند آہیں، کچھ ندامت، کچھ نیاز
عمر بھر کی محنتِ برباد اِس حاصل میں ہے

لے رہی ہے قدرتِ خاموش پیہم انتقام
عکس بسمل کا ابھی تک دیدۂ قاتل میں ہے

سوچ لے اے مبتلائے فکرِ منزل سوچ لے
لذّتِ جاوید محنت میں ہے یا حاصل میں ہے

عقل کے خرمن ہوس کی بجلیوں میں ہیں رشیدؔ
ایک دنیا جل رہی ہے روشنی محفل میں ہے

مِٹا ہے کبرِ عبادت کِس اہتمام کے ساتھ
کہ دو سجود ہیں واجب ہر اک قیام کے ساتھ

ہے سب کو دانۂ بے دام کی طلب لیکن
ہر ایک دانہ زمیں پر ہے ایک دام کے ساتھ

نہ تھی جو فکرِ مسلسل سُبک مزاجوں کی
ہر ایک سمت میں دوڑے ہوائے بام کے ساتھ

زباں پہ حرفِ دعا ہے تو ساتھ دِل بھی جُھکے
کیا دُرود کو واجب مگر سلام کے ساتھ

خدا کے گھر میں بشر کے تصرّفات ہیں یہ
خلیلؑ آج بھی باقی ہیں اک مقام کے ساتھ

دماغ توڑ کے یہ دن گزارنے والے
ابھی تو دل بھی جلے گا چراغِ شام کے ساتھ

خواصِ فکر میں یہ ہے کہ حشر پر ہو نظر
رہا ہے نشر کا پہلو مگر عوام کے ساتھ

اِدھر ہے عقل کی قوت اُدھر ہے لشکرِ جہل
ہیں صف بہ صف حق و باطل کس التزام کے ساتھ

رشیدؔ میرے تعارف میں دیر کیا ہو گی
میں آؤں گا سرِ محشر مرے امام کے ساتھ

پھر اُس کو غرض کیا ہے بہارِ گزراں سے
جس پھول کی تکمیل ہوئی زخمِ خزاں سے

کیا جانیئے کیا حشر ہو گلشن کا سحر تک
اچھا ہے سرِ شام نکل جاؤں یہاں سے

اے بے خبرِ نفع و ضرر، زیست سے حاصل
بازار کی رونق ہے فقط سُود و زیاں سے

وہ فرصتِ غم اور نشیمن کی بہاریں
ماضی کے یہی نقش تو ہیں آج دُھواں سے

اُس صبح کے مشکوک اُجالے سے ہے بہتر
وہ رات جو بیگانہ رہے وہم و گماں سے

گُل محرمِ اسرار ہیں اور ہم ہیں وہ محروم
رودادِ چمن سنتے ہیں کانٹوں کی زباں سے

اے نزع کے ہنگام، بس اک سانس کی مہلت
میں اُن کا پتہ پوچھ رہا ہوں رگِ جاں سے

کیا آپ کے جلوؤں سے کوئی وقت ہے خالی
آتا ہے اندھیرا نہیں معلوم کہاں سے

شاید مجھے رستے میں وہ مِل جائیں ترآبی
میں دور نکل جاؤں ذرا کون و مکاں سے

سیرِ تکمیلِ بشر

فکر میں رفعت و تطہیر ہے انساں کا عیار

اِس بلندی پہ رہا کرتا ہے طالع بیدار

غفلت اک سانس کی ممکن نہیں اِس منزل پر

آنکھ جھپکے تو بدل جاتے ہیں سب لیل و نہار

دلِ بیدار سے مقصود خود آگاہی ہے
فکر کچھ اپنی، کچھ اَوروں کی سعادت درکار

فکرِ مربوط و مسلسل سے ہے دانش کا فروغ
سیرِ تکمیلِ بشر کی ہے یہی راہگذار

کون کس کام کے لائق ہے، یہ ہے فکرِ بصیر
بے سبب نسبتِ ناحق سے ہے باطل نادار

یہ مراتب کا تفاوت یہ مَدارِج میں تمیز
پھر حقائق پہ نظر، یہ ہے بصیرت کا شعار

نور و ظلمت میں ہے فرق ایک نہیں ظلّ و حُرور
زندہ و مُردہ کو یکساں نہ سمجھنا زنہار

متوازن ہے اگر قوتِ احساس کہیں
کس طرح ایک رہیں شامِ خزاں صبحِ بہار

ہو نہیں سکتا کسی حال میں مُسلم مجرم
متّقین اور ہیں کچھ اور ہے بزمِ فُجّار

عِلم اور جہل کو ہموزن سمجھنے والے
آبِ شیریں بھی انہیں تلخ ہے، یہ ہیں بیمار

حجّتِ عقل ہے اک کامل و اعلیٰ کا وجود
وہ ہے موجود تو پُر داغ ہے ناقص کا جوار

کس بلندی سے پکارا گیا انسان کہ پھر
زیب دیتا نہیں پستی کی طرف اُس کا فرار

رفعتِ کوہِ سَراندیپ صدائے آدم
بامِ توبہ ہے جہاں قربِ الٰہی کا مَدار

ہے اِسی خط پہ کہیں جُودی و کشتی کا مقام
کفر ڈوبا ہے، بنے نوحؑ یقیں کا معیار

منجنیق اور براھیم کی تفصیل بنے
ابنِ عمراں سرِ طور اور بنِ مریم سرِ دار

پھر اُسی سطح پہ معراجِ نبیؐ خاتم
ہے دَنیٰ اور فتدلّیٰ سے حقیقت بکنار

اور اُسی سطح سے پالانِ شُتر کا منبر
اِس بلندی سے وِلایت کا لیا ہے اقرار

عید ہے عیدِ نبیؐ دوشِ پیمبر پہ حسینؑ
کس اُفق پر ہوا دستورِ شفاعت تیار

آدمؑ و نوحؑ و براھیمؑ و کلیمؑ و عیسیٰؑ
سب میں شبّیرؑ نظر آئے محمدؐ آثار

مرضیٔ رب سے زمانے میں اَب وجد کی طرح
قصرِ توحیدِ الٰہی کے اکیلے معمار

خطِّ امکان و وُجوب اور قیامِ شبیرؑ
قابَ قوسین کی منزل پہ شہادت کا قرار

اور آغوش میں شبیرؑ کے کوئی موٗلود
جس کے بازو ہیں امامت کے فرائض کا وقار

آئے شبیرؑ ملا ذوقِ ادب کو سجدہ
آئے عباسؑ ملی دستِ وفا کو تلوار

جانِ احمدؐ کا محافظ ہے شبابِ حیدرؑ
ایک سجدے کی حفاظت میں کھنچی ہے تلوار

ہاں اِسی حفظِ امانت کا ہے اک رَمزِ عَلم
طُور و جُودی کی طرح حق کی بلندی کا وقار

راہ گُم کردہ کسی دَور میں مُڑ کر دیکھے
نظر آئے وہ عَلم راہ نمائے ابرار

وہ عَلم جس پہ بھروسہ ہے خداوالوں کا
وہ عَلمدار کہ ہاتھوں پہ خدائی ہے نثار

جس کا سایہ نہیں اُس نور کا سایہ وہ عَلم
وہ علمدار کہ زہراؑ کی دعا آخرِ کار

سیرِ تکمیلِ بشر پر ہے نگاہِ ابلیس
پھر بھی یہ دُھن ہے کہ اَفضل ہے ابھی خاک سے نار

کیا بُھلائے کسی کامِل کو گزرتا ہوا وقت
اس بلندی پہ پہنچتا نہیں ماضی کا غبار

حشر تک جانا ہے اُس ایک عَلم کے ہمراہ
وقت کی قید میں آتے نہیں جس کے انوار

ان خزانوں کا رشیدؔ آئے گا کوئی وارث
خضرؑ کی طرح بناتے رہو گرتی دیوار

جوشِ اثر کو دیکھئے غیب پہ اعتماد کے
باغ پھلے یقین کے پھول کھِلے مراد کے

نیند میں اک دلیل ہے غیب سے اتّصال کی
خواب سے سلسلے بندھے نیک و بدِ معاد کے

اُف رِی زمانہ سازیاں جُز وِ حیات بن گئیں
کتنی خطاؤں کا جواز نام سے اجتہاد کے

دَور وہ کوئی ہو کہیں سب کو گلہ یہی رہا
ناز نہ کیوں اٹھا سکے ہم کِسی کم سواد کے

عقل کی ضد ہے عشق میں علم کا رَد ہے کشف سے
قلب و نظر کا حشر دیکھ عکس میں اِس فساد کے

قتلِ حسینؑ کے لئے اب بھی ہے رَے کی گفتگو
آج بھی ہیں بچھے ہوئے دام بنِ زیاد کے

جس کا رُخِ حیات صرف ایک ہی سمت پر رہے
اُس کے ادب کو دیکھئے عِلم سے اعتقاد کے

جنگ کی روح دیکھئے ، نام میں کیوں اُلجھ گئے
کتنے جلے دل و دماغ ذکر سے ہی جہاد کے

ہے ترے ذکر کی عطا ذکرِ رشیدؔ ہے یہاں
سب کو میں یاد رہ گیا صدقے میں تیری یاد کے

امرِ باطل میں ہے مطلوب تتبّع ہم سے
کیوں نہ اِس بات پہ چھڑ جائے تنازع ہم سے

تیری گردش میں رہے، پِس بھی گئے، خاک ہوئے
اے فلک اور بھی ممکن ہے تواضع ہم سے

شاید اُس بُت کو دیا اُس کے رفیقوں نے فریب
ورنہ اس کا یہ تضرّع یہ تخشّع ہم سے

نالہ کرتے ہوئے تھک جائیں تو آہیں کھینچیں
بس یہاں تک رہے اُمیدِ تنوّع ہم سے

یادِ حق، خوفِ اجل، ذکرِ بتاں، فکرِ معاش
مختصر وقت میں کیا کیا ہے توقّع ہم سے

ساتھ چلتے ہیں کسی کے تو بدلتے نہیں راہ
کتنا مانوس ہے یہ رنگِ تشیّع ہم سے

فرض کیا ہے یہ زباں دل کی گنہگار رہے
کیوں کیا جائے تقاضائے تصنّع ہم سے

دُور ہے حق سے کوئی، کوئی ہے نزدیک رشیدؔ
کون پوچھے یہ تنزّل یہ ترفّع ہم سے

سحر اور شباب

زمیں مشیّتِ حق سے ہوئی ہے گرمِ سفر
محافظانِ سپید و سیاہ شمس و قمر

وداعِ سلسلۂ شب میں ہے نمودِ سحر
فلک کی آنکھ کا سُرمہ بہا ہے کٹ کٹ کر

اندھیرا جذب ہوا ہے فضا میں اس حد تک
ستارہ صبح کا ہے شب کے ماتھے کا جھومر

یہ وقتِ خلد ہے ہر شب میں ایک ساعتِ قدر
ہے صبح کا یہ تنفّس مزاجِ روحِ سحر

درخت جھوم کے چپ ہیں، سحر کا ہے ہنگام
ہے نامِ حق ملکوتی زبان پر ازبر

سحر کو چہچہے اُڑتے ہوئے پرندوں کے
یہ ذکرِ حق میں ہے فطرت کا اولیں منظر

سحر کی بزمِ خموشی میں کوئی ہے بے چین
اچھل رہی ہے جو نبضِ حیات رہ رہ کر

گیا ہے عرش پہ پھر عادتاً بہ شکلِ دُعا
وصال کوش مریضانِ ہجر کا محضر

سحر مقامِ تقرّب پیمبروں کے لئے
سحر محلِّ مناجات، طُور کی ہمسر

سحر سے راہِ عبادت ہوئی ہے مستحکم
سحر سے شمعِ محبّت ہوئی ہے روشن تر

سحر کو بھوک میں ذکرِ خدا ہے میوۂ خلد
سحر کو پیاس میں یادِ خدا مئے کوثر

سحر کا وقت ہے یعنی حیات بٹتی ہے
کہیں ہے دفترِ اثبات و محو پیشِ نظر

سحر کا لطف اٹھائے وہ طالعِ بیدار
جو رات فکر میں کاٹے کہ منتظر ہے سحر

سیاہ رات میں سب سے لطیف وقتِ سحر
مقامِ خلق میں سب سے بلند شانِ بشر

بشر محلِّ نزولِ صحائفِ باری
بشر صفاتِ جلال و جمال کا مظہر

بشر عزیز، بشر کا شباب اُس سے عزیز
کہ قلب و جان و دماغِ بشر، شبابِ بشر

سحر حیات ہے لیکن شباب روحِ حیات
سحر تمام عَرَض ہے شباب سب جوہر

سحر کا چاک گریباں ہے ایک لطفِ شباب
شباب میں ہے گریباں کا چاک جانِ سحر

سحر سکوت کی دنیا سکون کی محفل
شباب ہوشِ خودی، جوشِ دل، خروشِ نظر

سحر مریض کی آنکھوں میں اک شِفا کا خواب
شباب خواب کی تعبیر یا شِفا کا اثر

سحر جواہرِ شبنم فروش صبح کے ہاتھ
شباب بحر بہ داماں بہ جیب لعل و گُہر

نگاہِ قدس میں دونوں جہاں سے بہتر ہیں

سحر کو ایک تپیدہ دل ایک دیدۂ تر

مقامِ ناز میں کونین سے عظیم و بلند

شباب میں دلِ جرأت نشاں خمیدہ سَر

سحر کو حسن کی انگڑائیاں خجل ہو جائیں

شباب موت میں انگڑائیاں جو لے ہنس کر

سحر کی محفلِ عبرت ہیں ڈوبتے تارے

شباب میں کوئی دل ڈوب جائے تو محشر

سحر کو یادِ خدا میں شباب سر بہ سجود

وہ تین روز کا پیاسا، زبان شُکر سے تر

سحر بھی وہ شبِ عاشور کی معاذ اللہ

شباب اور محمدؐ کا ہاں ادب سے گذر

شباب وہ کہ خدائی میں آیا ایک شباب
سحر بھی وہ کہ زمانے میں آئی ایک سحر

سحر کو شوقِ عمل میں ہے فکرِ مطلعٔ فجر
شباب فکرِ شہادت ہے اور عمل پہ نظر

بحقِ اَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
اذاں کا راز ہے، اللہ کا نام اور اکبر

وہ صبحِ مقتلِ شبیرؑ کی اذاں کا جلال
اذاں، وہ دعوتِ آخر بہ لحنِ پیغمبرؐ

اِسی شباب سے تا حشر ہے اذاں کا شباب
اِسی اذاں سے ابد تک رہے علی اکبرؑ

رشید نزع میں ہے، منتظر تمہارا ہے
علیؑ کے لال کے نورِ نظر، بس ایک نظر

عدل اور توازن سے حسن کی ہے سب خوبی
صد شباب رعنائی صد بہار محبوبی

منتظر زمانہ تھا کچھ مری تباہی کا
دشمنِ خزاں نکلی ضبط کی خوش اسلوبی

سنگ و در رہ و سجدہ، کون کس طرح سمجھے
عِلم یہ اشاروں میں، وہ بھی غیر مکتوبی

رُک گئی نظر جاکر بس ہوس کے پردوں پر
پھر یہ ضد کہ دیکھیں گے آپ اپنی محجوبی

کِس طرح پلٹ آئے روشنی نگاہوں میں
آج تو فسانہ ہے یوسفی و یعقوبی

دل بڑے بڑے طوفاں جھیل کر سلامت تھا
وقت یوں بدلتا ہے، دِل کو نبض لے ڈوبی

زیست سے غرض شاید صرف عشق و مستی ہے
عقل کے حوالے سے ہر طرف ہے مجذوبی

زندگی رشید اپنی تا کُجا پئے دنیا
ضُعف سے نہیں خالی طالبی و مطلوبی

۹

کیا خبر دل کا رُخ ہے کِس کی طرف
فاصلہ ہے میانِ شخص و ہدف

بے حسی پر نہ ٹُوکنے والے
درد کے ساتھ ہے یہ دل کا شرف

ظرف سے بھی ہوں آشنا آنکھیں
اہلِ گوہر نہیں ہر ایک صدف

اب کوئی راز چھُپ نہیں سکتا
بات آئی سَلَف سے تا بہ خَلَف

اپنی فطرت کو آج کیا بدلیں
حق ہمیشہ رہا ہے تیغ بکف

ہے جُنوں کا یہ مشغلہ شاید
کیوں پرکھتا ہے کوئی سنگ و خزف

ایک ہی سمت لے کے جائے گی
جس کے سر میں رہی ہوائے نجف

غیب سے متصّل رہے تو کہو
عقل ہی ہے بُراق اور رَفرف

کچھ اندھیرا ہٹے تو حال کھُلے
ہے یہی تو چراغ کا مصرف

مانگنے کے لئے ہے نامِ حق
یا یہ پھر رہ گیا برائے حلَف

زندگی ہے تو ذِکرِ دوست بھی ہے
اک نفس بھی جہاں نہیں ہے تلف

نصرتِ حق میں چند لفظ رشیدؔ
لکھ سکو تو یہی رہے مُصنّف

رہوں کچھ ایسے خیالات میں جو بدعت ہیں
ہے عِلم سب ہی اشارات میں جو بدعت ہیں

حُضور و دیدۂ پرنم ندائے شوق و سلام
اُمور یہ ہیں ملاقات میں جو بدعت ہیں

سوالِ وصل و مکافاتِ ہجر و شکوۂ غیر
یہ سلسلے ہیں مقالات میں جو بدعت ہیں

قدم قدم پہ رہے کچھ خیالِ ماضی و حال
ہزار باتیں ہیں ہر بات میں جو بدعت ہیں

طویل تجربہ ھائے گذشتہ کی تاریخ
نہاں ہے چند علامات میں جو بدعت ہیں

بُزرگیوں کا بشر کی ہو تذکرہ کیسے
ہیں تذکرے بھی کرامات میں جو بدعت ہیں

دلیلِ کم نظری قِصّۂ جدید و قدیم
پھنسی ہے عقل اُن آفات میں جو بدعت ہیں

بقولِ ناصحِ مشفق یہ عمر کٹتی ہے
تمام اصولِ مدارات میں جو بدعت ہیں

رشیدؔ ہو گئے احباب عقل میں عاجز
لگائیں حُکم قیاسات میں جو بدعت ہیں

صبحِ قریب

زمین تھی نہ زماں تھا نہ آسماں قائم

ازل کی صبح تھی وحدت کا تھا سماں قائم

تجلّیوں کا تسلسل تھا، نور تھا ہر سُو

تھا علمِ حق میں محبّت کا بوستاں قائم

فضائے ہُو میں بگولے وفا کے اٹھتے تھے

مکانِ عقل تھا ما بینِ لا مکاں قائم

کمالِ غیب میں چاہا یہ کنزِ مخفی نے

شہود میں کوئی حق کا ہو رازداں قائم

مقامِ عقل و محبّت میں صبحِ اوّل سے

ہوا وُجوب کا امکاں میں اک نشاں قائم

تنزّلات میں آیا وجود پے در پے

بہ حسبِ کیف ہُوا دارِ کُن فکاں قائم

ہوائے کُن سے کھِلے ہیں گُلِ ریاضِ مُراد

مقامِ ہُو میں ہوئی ہستئ جہاں قائم

صدا سُنی نہ کسی نے مگر کلام کیا

کلام جس سے ہوئی بزمِ دو جہاں قائم

فضائے لامتناہی پہ چھا گئی حرکت

حیات خلق ہوئی ہو گیا جہاں قائم

یہ ماہ و انجم و خورشید و ارض و بحر و جبال

جہاں تھی جس کی جگہ وہ ہُوا وہاں قائم

نہالِ گلشنِ کُن جب بہار پر آیا

تو آب و گِل سے ہوا ربطِ جسم و جاں قائم

ملائکہ کا وہ مسجُود اشرفِ مخلوق

ہُوا خلیفۂ معبود وہ یہاں قائم

اِسی طرح سے ہر اِک عہد میں بہ مرضیٔ رب

ہوئے شریعتِ حق کے نگاہباں قائم

ہر ایک مرضیٔ معبود کا نمائندہ

بقیدِ وقت و مکاں بعدِ امتحاں قائم

کہیں تھا خونِ تمنا کہیں تھا خونِ جگر

ہوئیں فسانۂ الفت کی سُرخیاں قائم

رہا یہ دَور صفی سے وصی خاتم تک

پھر اُن کے بعد ہوئے میرِ کارواں قائم

چلے ازل سے کہاں وہ کہاں کہاں ٹھیرے

کہاں کہاں ہُوا اللہ کا نشاں قائم

اگر کتاب ہے لاریب امرِ رب ہے غیب

یہی وہ غیب ہے ایماں رہے جہاں قائم

جو ذات اوّل و آخر وہ ظاہر و باطن

اِسی دلیل سے ہے ربطِ داستاں قائم

جو نُورِ مَظہرِ حق ہے وہ مُظہرِ کُل ہے

یہیں وجود کا ہے فیضِ جاوداں قائم

خدا کی ذات ہے قیّوم امرِ حق قیّم

ہے اِن حدود میں یہ بحرِ بیکراں قائم

اگرچہ ہیں پسِ پردہ مثالِ روحِ یقیں

رگِ حیات میں لیکن رواں دواں قائم

وہ نور کوکبِ دُرّی وہ غیب صبحِ قریب

بہ قدرِ ذوقِ نظر ہے عیاں نہاں قائم

کمالِ عقل کو لازم نہیں زمان و مکاں

تلاشِ عقل میں لیکن زماں مکاں قائم

بشر کے سلسلۂ سیر میں یہی ہے کمال

کہ قسط و عدل کا مرکز ہو بے گماں قائم

ہر اک طلب ہے غلط گر نہیں کوئی مطلوب

نہ ہو مکیں تو رہے کس لئے مکاں قائم

ہے اضطراب میں کیوں فکرِ دیگراں پہ نظر
حدیثِ دوست میں ہے سرِّ دلبراں قائم

اُدھر چُھپی ہوئی باطل کی قوتِ مُضطر
اِدھر ہے مرکزِ حق پردے میں نہاں قائم

حضورِ حق کا تقاضا فقط اقامت ہے
قیامِ امر کا منشا یہی کہ ھاں قائم

خُدا کے ساتھ محمّد کا نام لینا ہے
اِسی اُصول پہ تا حشر ہے اذاں قائم

یہ آئینہ وہ تجلّی، یہی تو ہے معراج
حضور و غیب میں ہے قربِ دو کماں قائم

یہی تو اوّل و آخر ہے معنیٔ لولاک
یہی حقیقتِ محبوب. جاوداں قائم

اُسی کی ذاتِ مقدّس میں اہلِ دل کے لئے
دلیلِ ہستیٔ مطلق ہے بے گماں قائم

اُسی کے دم سے ہے دِیں کی رگوں میں تازہ لہو
اُسی قدم سے ہدایت کے ہیں نشاں قائم

اُسی کی برقِ نظر میں حیات کی تجدید
ہے اِس امید پہ میرا بھی آشیاں قائم

جو انتظار کے قابل بنوں تو پھر کیا غم
رہیں یہ جیب و گریباں کی دھجّیاں قائم

نماز ادا میں کروں وہ کہ جس میں قصر نہ ہو
نظر کی حد پہ ہو تیرا جو آستاں قائم

چراغِ ہوش بجھا کر میں راہ تکتا ہوں
خدا کرے کہ رہیں یہ تجلّیاں قائم

رشید جلوہ طلب ہے نہیں ہے استقرار
کہاں یہ مضطرب الحال اور کہاں قائم

ہر ایک عقل کی فریاد، العجل مولا
ہر ایک قلب کی آواز، الاماں قائم

حق آگاہی کی بستی میں عجب نظم و نسق پایا
حفاظت حق کی جس نے کی اُسی کو جاں بحق پایا

جہاں لذّت نظر کی تھی وہیں آنکھوں میں کانٹے تھے
چمن سے ایک دن ہٹنا تو ہے، اچھا سبق پایا

دیا ہے حکم سجدے کا نہ چاہا یہ کہ سجدہ ہو
اِسی پیکار کو اصحابِ دانش نے اَدق پایا

کسی کا ہوں میں دیوانہ گواہی دوستوں نے دی
لحد میں مونسِ تنہائی میں نے یہ ورق پایا

زمانہ سرخیٔ عنواں سے اب تک محوِ حیرت ہے
شہیدوں کے لہو نے بڑھ کے یوں اوجِ شفق پایا

تمہارے نام سے گلشن بنے ورنہ رہِ حق میں
قدم رکھا تو ہر میداں کو سب نے لق و دق پایا

رشیدؔ آسانیوں سے ہر مصیبت کٹ ہی جاتی ہے
جہاں بھی زندگی میں انطباق و الفلق پایا

فیصلے میں ہوئی تعجیل تاسف نہ ہوا
شُبہ کے بعد بھی حیرت ہے توقف نہ ہوا

نہ بنے ہمدم و ہمراز، یہ ہم عصر رہے
عقل کا ظلم سے تا حشر تعارف نہ ہوا

ربط عالِم سے جو ہو جائے تو عالم سے ہو ربط
عِلم کے صَرف سے کس شے میں تصرف نہ ہوا

بات اتنی تھی کہ یہ وحی کے الفاظ نہ تھے
شرع میں یوں گذرِ عشق و تصوف نہ ہوا

زندہ اولاد کو اپنی جو کیا کرتے تھے دفن
حق میں اوروں کے کبھی اُن کو تکلف نہ ہوا

موت صابر کی نہ تھی ، درد کے سننے والے
موت احساس کی تھی ، اُف نہ ہوئی تُف نہ ہوا

شُکر کرتا ہوں بجُز آلِ پیمبرؐ کے رشید
دل کسی اور کا مرہونِ تلطف نہ ہوا

کیوں کوئی بیٹھے کہیں دیوار وار
جائے گُل گُل باش و جائے خار خار

عشق کی جھوٹی نمائش کے لئے
ہو گیا اپنا گریباں تار تار

ہر نفس پُر عزم سرداری کے ساتھ
دیکھتا ہے دیدۂ بیدار دار

غم وہ ہے جو روح کی لذت بنے
کیوں رہے پھر آپ کا غمخوار خوار

کاسہ لیسی اور پھر دل میں عناد
ہو رہے ہیں کس قدر عیّار یار

ظلم سے کوئی اگر حق چھین لے
دل نہ مانے گا یہاں زِنہار ہار

کیا خبر کیا مصلحت ہے درمیاں
آپ چُپ ہوں میں پکاروں بار بار

غیرِ حق کی سمت کیوں میلان ہے
ہے یہی تو رشتۂ زُنّار نار

عشرت و عبرت اضافی ہیں رشیدؔ
کوئی خوش ہو کوئی روئے زار زار

اجنبی اشیاء میں باہم جذب کی خواہش نہیں
کُفر و ایماں خود ہیں خالص، اِن میں آمیزش نہیں

سرسری دیکھا جہاں کو، اِس نظر سے کیا ملا
بات کی تہ تک وہ کیا پہنچے جسے کاوش نہیں

کون سا سرمایہ آخر ہے محلِّ اعتبار
علم کی تنہا عقیدے سے تو پیمائش نہیں

دیکھنا یہ ہے حدیں کیا ہیں، مُزاحم کون ہے
کیا خطا خورشید کی ذرّوں میں جو تابش نہیں

جا رہا ہوں سوئے منزل پُر یقین و بے خطر
ہاتھ میں ہے کوئی دامن، پاؤں میں لغزش نہیں

اب وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ اک سہارا چاہیئے
بے وسیلہ زندگی میں کوئی آسائش نہیں

اک سکونِ مستقل ہے یا مکمّل بے حسی
زلزلے آئے یہاں اور قلب میں لرزش نہیں

ہے وہ دیوانے کی جنّت یا کسی گونگے کا خواب
دین کے ہمراہ دنیا میں اگر دانش نہیں

اک چُھپی خواہش کے ایما پر ہے تکرارِ نظر
عشق کیا ہے دیدہ و دل میں جو اک سازش نہیں

اختلافِ علم و استنباط، لازم ہے رشید
فکر کی راہیں الگ ہیں اور کوئی رنجش نہیں

اِس بزم میں رُکتے بھی تو دو چار گھڑی ہم
جانے کو کہا جاتا ہے، آئے ہیں ابھی ہم

ہم منکرِ تسلیم تھے آغازِ سفر میں
انجامِ غریبی وہی تسلیم، وہی ہم

صحرا کے بگولے کی یہ گردش بھی ہے قانون
اور اِس کو سمجھتے رہے بے راہ روی ہم

ہر شُبہ سے لپٹا ہوا دیکھا کوئی ماضی
دل کہتا ہے اِس راہ سے گزرے ہیں کبھی ہم

ہر جاہ طلب دین کے سودائی کی خاطر
کب تک درِ تقویٰ پہ کریں شیشہ گری ہم

بجھنے کو ہے یہ شمع، ستاروں پہ نظر ہے
اور کتنے گریزاں تھے سہاروں سے یہی ہم

سب ارض و سماوات ہیں اک گوشۂ جنّت
یہ وسعتِ فردوس ہے اور اِس میں، ہمی ہم

کُھل جائے کہیں راز نہ تنہائیٔ غم کا
ہنستے ہیں اِسی خوف سے غیروں کی ہنسی ہم

دل فکرِ خود آگاہ کی منزل ہے ترابی
کہنے کو ہیں مجذوب نہ صوفی نہ وَلی ہم

جوابِ شکوہ

شب جو دل میں خلشِ خارِ غمِ دوش ہوئی
فکرِ فردا سے خرد بڑھ کے ہم آغوش ہوئی
طبع کیفِ مئے پندار سے مدہوش ہوئی
بہکی اِس درجہ کہ آداب فراموش ہوئی
یوں تو رہتی تھی شکایت فلکِ پیر سے بھی
جی میں آیا جو کہا مالکِ تقدیر سے بھی

ناگہاں آئی صدا کان میں قدرت میری
مجھ سے بندہ مرا کرتا ہے شکایت میری
خیر گھیرے ہے غضب کو مرے رحمت میری
صاف دل سے ہے یہ شکوہ بھی عبادت میری
آج تیرا یہ عمل مجھ کو بھی محبوب ہوا
غیر سے میری شکایت جو نہ کی خوب ہوا

ہاں، مرے بندے یہ کہہ باعثِ شکوہ ہم ہیں
بے وفائی کا ہے جس کی یہ فسانہ ہم ہیں
عقل ہی کیا تری، کیا سمجھے گا تو کیا ہم ہیں
بحرِ موّاجِ کرم، لطف کا چشمہ ہم ہیں
تو نہ تھا خاکِ عفن سے تجھے موجود کیا
اس پہ دعویٰ یہ کہ تو نے ہمیں معبود کیا

ہم کو معبود بنایا یہ بڑا کام کیا
خوب پھر عبد نے معبود کا اِکرام کیا
بندگی کرنے کی جا عشق کا اقدام کیا
غیرتِ وامق و فرہاد بنے نام کیا
بیچ میں، جب کہ قدم عشق کا آیا پھر کیا
بن کے معشوق اگر ہم نے ستایا پھر کیا

سُن مشیّت نہیں اللہ کی پابندِ رسوم
مصلحت سے مری خوش ہے کوئی، کوئی مغموم
منھ لگایا جو ذرا ہم نے تو اس پر ہے یہ دُھوم
کیا کٹھن رستہ ہے الفت کا تجھے کیا معلوم
شمعِ الفت دلِ عاشق کو جَلا دے جب ہے
شامِ غم صبحِ مسرت کو ضیا دے جب ہے

تُو تو کیا مال ہے، غافل تری ہستی ہے کیا
جن و انس و مَلک و طیر و وحوشِ صحرا
بحر و بر، دشت و جبل، شمس و قمر، قطب و سُہا
آب و خاک، آتش و باد، ارض و سما، ظِلّ و ضیا
گر بغاوت پہ یہ سب خَلق مہیّا ہو گی
میری قدرت کے خزانے میں کمی کیا ہو گی

آدمؑ و نوحؑ و براہیمؑ و شعیبؑ و داؤدؑ
موسیٰؑ و یوسفؑ و یعقوبؑ و خضرؑ، یونسؑ و ہودؑ
ان کی خلقت کے تھا ہمراہ مصائب کا وُرود
فاقے پہ فاقے کئے لب پہ رہا "یا معبود"

یہ تھے کچھ دوست مرے جن کے یہاں نام لئے
ایسے بھی گذرے ہیں کچھ جن سے بڑے کام لئے

تیری وہ جرات و قوت کہ تجھے جس پہ ہے ناز
تو سمجھتا ہے اسی بل پہ لئے شام و حجاز
لیکن اے بھولنے والے بشر، اے بندۂ آز
یاد ہے کس کو مدد کے لئے دی تھی آواز

سورۂ فتح میں تھی فتح اِشارا کس کا؟
جز ہمارے ترے دل کو تھا سہارا کس کا؟

دن کو کرتا تھا جو دعوائے خدائی نمرود
پردۂ شب میں رہا کرتا تھا مشغولِ سجود
ظلم گو نفس پر اپنے تھا پئے نام و نمود
نگہِ خلق میں ہر چند تھا گمراہ و عنود
میری درگاہ میں جب عجز کا تحفہ لایا
اُس نے دنیا کی حکومت میں جو مانگا پایا

ہم نے موسیٰؑ سے جو پوچھا یہ کہ اے خیرِ سلیل
مری مخلوق میں ہے سب سے سوا، کون ذلیل
بصد آداب یہ کی عرض کہ اے ربِّ جلیل
مری دنیا کے سہارے مری ہستی کی کفیل
اِس ترے بندے سے بڑھ کر کوئی محتاج نہیں
ابن عمراں کے سوا، کوئی ذلیل آج نہیں

پانچ وقت آپ پڑھا کرتے تھے ہر روز نماز
وہ بھی لوگوں کے دکھانے کو اسی پر ہے یہ ناز
اِس طاعت پہ ہے یہ شور یہ دُھوم اور طنّاز
کیا یہی عاشق و معشوق میں ہیں راز و نیاز

کب عبادت تھی کوئی ریو ریا سے خالی
کاش ہوتا ترا دل غیرِ خدا سے خالی

کیا کرے تو کہ تجھے درکِ حقیقت ہی نہیں
دل تو ہے سینے میں دل میں مگر الفت ہی نہیں
خُوگرِ لذتِ آلامِ محبت ہی نہیں
اِدّعا عشق کا اور عشق کی ہمّت ہی نہیں

طالبِ دید ہر اک محوِ ہوس آتا ہے
ایک موسیٰ ہے کہ دُزدیدہ نفس آتا ہے

تو جو کہتا ہے کہ اب طَور ہیں بے طَور، سہی

لطف واحسان نہیں ہے۔ ستم و جَور سہی

ہے مشیّت جو ہماری تو یہی دَور سہی

"تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی"

محوِ آرائشِ محفل رہیں محفل والے

ہم سے پردے میں ملیں آ کے جو ہیں دل والے

ہم خوشی چاہیں تو کِس طرح سے چاہیں تیری

صاف غیروں سے مِلی جاتی ہیں راہیں تیری

دل کہیں اور، اِدھر کو ہیں نگاہیں تیری

وقفِ رنج و غمِ دنیا ہوئیں آہیں تیری

تجھ میں اگلی سی محبّت نہیں وہ بات نہیں

پھر یہ کہتا ہے کہ، پہلی سی مدارات نہیں

دولت و حشمتِ دنیا ہے مری دین ضرور
سیکڑوں آکے سلیمانؑ بنے میرے حضور
غنچے غنچے میں زرِ ناب کیا ہے مستور
ذرّہ ذرّہ ہے دُر و لعل کا گنجِ معمور
دوستوں کے لئے لیکن یہی ناداری ہے
ہاں مرے نام پہ مرنے کا عِوض خواری ہے

اِدّعا گر ہے مرے عشق کا معیوب تو بن
داغ کھا داغ پہ، ہم صورتِ ایوبؑ تو بن
کھو کے نورِ نظر اپنا کبھی یعقوبؑ تو بن
ہم بنیں تیرے حبیب آج وہ محبوب تو بن
دل میں احباب مرے رکھتے ہیں شمشیر مری
خونِ عاشق میں نظر آتی ہے تصویر مری

پایا اسلام تو کیا خادمِ بُوذر نہ ہوا
ہاں بلالِ حبشی کے بھی برابر نہ ہوا
غُنچہ پھُوٹا تھا کہ مُرجھایا، گُلِ تر نہ ہوا
پَل کے آغوشِ صدف میں بھی تو گوہر نہ ہوا

دوست ہو کر مرے دشمن کا شناسا نکلا
میرا بندہ نہیں، تُو نفس کا بندہ نکلا

امتحاں میرا مراتب کی خبر دیتا ہے
ظرف کو دیکھ کے تکلیف سے بھر دیتا ہے
پا کے مرضی مری کوئی تو پسر دیتا ہے
میرے دربار میں تحفہ کوئی سَر دیتا ہے

گذرِ منزلِ تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سِوا اُن کو سِوا مشکل ہے

تُو تھا ناچیز تجھے چیز بنایا ہم نے

جسمِ بیجاں کو ترے جاں میں سجایا ہم نے

باندھ کر تارِ نفس ساز سنایا ہم نے

اپنی قدرت کا تماشہ یہ دکھایا ہم نے

واقف ایمان سے کر کے تجھے انسان کیا

تو سمجھتا ہے کہ معبود پہ احسان کیا

ذکر بچپن کا نہیں وہ تو ہے خارجِ حساب

کیا برباد سیہ مستیوں میں عہدِ شباب

آئی جب پیری تو سمجھا اُسے دنیا میں عذاب

تو کسی حال میں خوش مجھ سے رہا خانہ خراب؟

دن اَلم کے نہ رہے، عیش کی راتیں نہ رہیں

دعویٰ ہی دعویٰ رہا، عشق کی باتیں نہ رہیں

تیری رُوزی کا ہوا کرتا ہے ہر روز نزول
شُکر میں جس کے یہاں تحفۂ عصیاں ہے وصول
کچھ بتا سکتا ہے کیا عذر رہے تیرا معقول
ہاں مگر یہ کہ ہے تو ظالم و نادان و جہول
ہم ہیں مائل بہ عطا لطف و کرم پر تیار
تو گناہوں کے کیا کرتا ہے دفتر تیار

بیخودی میں کہا صیاد سے کیوں رازِ چمن
صبر کے ساتھ اٹھائے نہ گئے نازِ چمن
خود ہی پھندے میں پھنسا زمزمہ پردازِ چمن
اپنے ہاتھوں سے بنا خانہ بر اندازِ چمن
دشمنِ علم و عمل ہو کے جگر سوختہ ہے
اپنے معبود سے کیوں اتنا برافروختہ ہے

مضطرب قلب ہے رہتا نہیں یکسو ہو کر

پھر رہا ہے حرم و دَیر میں آہو ہو کر

روز مستی میں گزرتا ہے لبِ جو، ہو کر

بسملِ عشقِ حسینانِ پری رُو ہو کر

والۂ غیر ہے دعوائے محبت دیکھو

عاشقِ شاہدِ توحید کی صورت دیکھو

زندگی خواب بنی اور پریشاں بھی ہوئی

تیری دُنیا صفتِ آئینہ حیراں بھی ہوئی

نفسِ باد بنی عمرِ گریزاں بھی ہوئی

صبحِ پُرسشِ شب غفلت سے نمایاں بھی ہوئی

اب بھی ہشیار ہو! اے وقت کے کھونے والے

دِن چڑھا، چونک، سرِ شام سے سونے والے

میرا منشا ہے یہی اور مری خواہش ہے یہی
کوئی بندہ مری درگاہ سے بھاگے نہ کبھی
تجھ کو آنا ہے تو آ۔ آج ہی آ۔ بلکہ ابھی
پردہ اُٹھ جائے مرا حکم ہو تیری مرضی
حق کے آنے میں ہے کیا دیر جو باطل جائے
دُور کر دل سے بُتِ آز، خدا مِل جائے

میں تیرا شب کے اندھیرے میں نگہبان رہا
روز کے تیرے گناہوں سے بھی انجان رہا
تو ہی سرگشتہ رہا، غافل و حیران رہا
ایک شب بھی مرے پاس آ کے نہ مہمان رہا
غیر کی بزمِ طرب میں تو رسائی کی ہوس
خوانِ نعمت سے مرے زلہ ربائی کی ہوس

آج دربار میں مدعو تجھے کرتا ہے کریم

ہدیئے میرے لئے دو لائیو اے زار و سقیم

مضطرب پہلوئے صد چاک میں ہو قلبِ سلیم

اور ہاتھوں پہ رہیں آنسوؤں کے دُرِّ یتیم

بہ نیاز آ چو سوئے بارگہہِ ناز آئی

بگزر از خویش کہ در محفلِ ما باز آئی

جاں سمِ آلودِ ہوس اور دلِ غم نوش نہ رکھ

جلوہ بیں عقل کو غفلت سے ہم آغوش نہ رکھ

محملِ دل کو گناہوں سے سیہ پوش نہ رکھ

ربط اغیار سے او دوست فراموش نہ رکھ

آج بندے سے یہ اندازِ تکلّم میرا

گویا اس رنگ سے روشن ہے ترحّم میرا

کیا معرفتِ حق کا کوئی رنگ رہے گا
آئینۂ دل پر جو یہی زنگ رہے گا

بے درد سے دوری ہے رہِ حق کا سلیقہ
ہر درد زدہ دل کا یہ آہنگ رہے گا

محسود کی نازش نگہ و دل کی ہے وسعت
حاسد کی نگہ تنگ ہے دل تنگ رہے گا

اِس دین کو جو کھیل سمجھتا ہے سمجھ لے
ماضی سے چلا آتا ہے یہ ننگ رہے گا

جس دل میں رہیں قاتل و مقتول برابر
ہر تول میں باطل کا وہ پاسنگ رہے گا

یہ جذب نہیں اصل میں ہے دفع کی کوشش
ہر صلح میں اک فیصلۂ جنگ رہے گا

منصوص اثر کی بھی رہے گی یہی عظمت
کعبہ میں پئے بوسہ اگر سنگ رہے گا

جبتک ہے خمیر الفتِ حق کا رگ و پے میں
مظلوم کی نصرت کا یہی ڈھنگ رہے گا

شاید ہے کسی آہ کا مارا ہوا گلشن
تا حشر بھٹکتا ہُوا ہر رنگ رہے گا

حیراں ہے رشیدؔ آج ہر اک طرزِ امیری
کب تاج رہا ہے جو یہ اَورنگ رہے گا

کیا اُن کا کرم ہم پہ سِتم جن کے نہیں ہیں
اُن سے ہمیں کیا کام ہے ہم جن کے نہیں ہیں

دیتی ہے صدا بارگہِ عقل میں تقدیر
محفل سے اُٹھیں نام رقم جن کے نہیں ہیں

کیا سطوتِ ماضی کے نشاں ڈھونڈ رہے ہو
وہ چند نفس، نقشِ قدم جن کے نہیں ہیں

کوئی تو سہارا بنے بُت ہو کہ خدا ہو
کیا اُن کا بھرم دیر و حرم جن کے نہیں ہیں

ایسوں کے فسانوں میں کہاں درد کی لذت
غم خوار بھی شائستۂ غم جن کے نہیں ہیں

میں سوچ رہا ہوں اُنہیں کیا کہہ کے پکاروں
گمنام ہیں وہ نام بھی کم جن کے نہیں ہیں

سنگِ در و سجدہ ہے طلسمِ رہِ الفت
کیا اُن کا خدا ہو گا صنم جن کے نہیں ہیں

ہمّت کی ہے بنیاد ، بلندئ نظر پر
بے حوصلہ لشکر ہیں علم جن کے نہیں ہیں

ہے سادگئ و راستئ ذوق سلامت
صنعت سے بچیں زلف میں خم جن کے نہیں ہیں

قربانئ بے خوف ہے اک شرطِ تاثّر
کیا لکھتے ہیں وہ ہاتھ قلم جن کے نہیں ہیں

صد شُکر رشید آپ کے دشمن ہوئے یکجا
وہ مِل گئے افکار بہم جن کے نہیں ہیں

اندھیرا خوب ہے اس سے کہ روشنی ہو جائے
یہی ہے عشق کہ انکارِ بندگی ہو جائے

اُنہی کو کہتی ہے دنیا خدا نُما بندے
یہی ہے عقل کہ جو دل کہے وہی ہو جائے

جو گہری سانس کھنچے شرحِ صدر کرتی ہے
مُداوَمت جو رہے ہر خفی جلی ہو جائے

ہر ایک صاحبِ خنجر یہاں خلیلؑ نہیں
پیامِ دوست سے جب تک نہ آگہی ہو جائے

کچھ ایسے پھول چُنیں آپ جو فسردہ نہ ہوں
یہ نذرِ دوست ہے' ایسا نہ ہو ہنسی ہو جائے

فنا نصیب سحر ہے اُس آہ پَر نازاں
جو آہ دل سے کھنچے اور سَرمدی ہو جائے

حضور و غیب کا ہُو اِتّصال قابلِ فہم
نگاہ و دل میں اگر صلح و آشتی ہو جائے

رشیدؔ شمع کے بجھتے ہی یہ بھی ممکن ہے
بہت قریب جو آیا تھا اجنبی ہو جائے

گھر کا وارث

پہلا گھر وہ مہرِ ہدایت طُور کا جلوہ دکھلائے گا
مسجودِ مَلک، مقصودِ جہاں اپنا مقصد سمجھائے گا
سیرِ کمال اور تکمیلِ سفر کا یہ سب راز بتائے گا
ذرہ ذرہ اک لَو دے گا گھر کا وارث جب آئے گا

سب کی نظروں سے پنہاں ہے یعنی سب کا راز چھپائے
جب وہ پردہ رُخ سے ہٹائے ہر شے خود ہی سامنے آئے
کون کہاں ہے کیسا ہے پھر سب کی حقیقت خود کھُل جائے
اُس سے پردہ کون کرے گا گھر کا وارث جب آئے گا

خود ساختہ دربانوں کو دیکھو کیسی غفلت چھائی ہے
یہ کیا حال بنایا گھر کا اب یہ کِس کی رسوائی ہے
یہ دروازہ کیسے ٹوٹا یہ کِس نے آگ لگائی ہے
اب کون جواب اِس کا دے گا گھر کا وارث جب آئے گا

آخر اِس گھر پر یوں قبضہ تھا کِس کِس بے ہی خواہوں کا
مغرور ستمگاروں کا راج کہ مخمور شہنشاہوں کا
کِس کے لہو سے لال ہیں دیواریں یہ گرد و غبار آہوں کا
دل تھام کے کیا کیا دیکھے گا گھر کا وارث جب آئے گا

بیدردوں نے ایسا لوٹا جس کے نشاں اب تک باقی ہیں
گھر کے گوشے گوشے میں یہ ٹوٹی ہوئی قبریں کیسی ہیں
بچّے جیسے نیند میں چیخیں کچھ ایسی صدائیں آتی ہیں
اب کیسے خاموش رہے گا گھر کا وارث جب آئے گا

گھر کے باغ کو دیکھو کتنا اُجڑا ہے ویران ہوا ہے
شاید پانی روک دیا ہر اک نخل یہاں سوکھ چکا ہے
اِن تازہ تازہ غنچوں کو کس نے کچل کر پھینک دیا ہے
کتنے غیظ میں بدلہ لے گا گھر کا وارث جب آئے گا

وارث بھی وہ مظہرِ قدرت کون و مکاں میں اک مظہرِ کُل
وہ ختمِ ولایت وہ ختمِ امامت وہ جانِ ختمِ رُسُل
اُس کے قہر و غضب کی زد میں ہے جس کو اک آن تامّل
مشرق و مغرب کو اُلٹے گا گھر کا وارث جب آئے گا

دعوت میں نبیؐ صولت میں علیؑ سب حلم حسنؑ کا سرتاسر
شبیرؑ کے دل کی قوت وہ عدلِ الٰہی سطوتِ داور
وہ گیارہ اِماموں کی ایک دعا آہِ دلِ زہراؑ کا اثر
وعدہ حق کا وفا کر دے گا گھر کا وارث جب آئے گا

مسجد کا ادھورا شقشقیہ اب کیسے رہے گا سرِّ مگو

جو کھنچ کے رُکی مقتل میں اُس تلوار سے اب ٹپکے گا لہو

اور وردِ زباں یاہُو یامن ہُو یامن لا ہُو اِلّا ہُو

ارض و سما میں صُور پھُنکے گا گھر کا وارث جب آئے گا

اب نام خزاں کا کوئی نہ لے یوں فصلِ بہاری آتی ہے

لو سب کی باری ختم ہوئی اب اپنی باری آتی ہے

یہ نیمۂ شعباں نور کی شب مولا کی سواری آتی ہے

پھر بے وارث کون رہے گا گھر کا وارث جب آئے گا

اِس رات میں اک روحِ وفا کے ذمّے ہے سب کی نامہ بری

تم بھی ایک عریضے میں لکھو سب اپنا سوزِ جگری

تاروں کی چھاؤں میں اُن کا قاصد آئے لے کر خوش خبری

کس کس کا خط ہے کہہ دے گا گھر کا وارث جب آئے گا

۹

نہ دشمنی نہ محبّت اگر نگاہ نہ ہو
کسی کا کوئی اندھیرے میں خیر خواہ نہ ہو

بنامِ علم و عمل خود فریبیاں کب تک
زمینِ مدرسہ آخر کو خانقاہ نہ ہو

مِنا و مَشعر و زَمزم، طواف و بوسۂ حجر
کہا یہ کس نے عبادت میں رسم و راہ نہ ہو

بہ اعتبارِ اثر ہیں افق بھی سب کے جُدا
کہاں ہے فکر و نظر ایک اشتباہ نہ ہو

یہ کون بیٹھا ہے رستے میں کج کلاہ فقیر
پناہ مانگ رہا ہے جہاں پناہ نہ ہو

قبولِ خیر کہاں، اصل میں جو خیر نہیں
جو روشنی کی طلب ہے تو دل سیاہ نہ ہو

سہارا ڈھونڈنے والے بلندیوں کو سمجھ
جب آئے زور میں طوفاں، یہ کُوہ کاہ نہ ہو

بنا رہے ہیں جو ظالم کو مِل کے سب مظلوم
نظامِ عدلِ عمومی کہیں تباہ نہ ہو

نفس نفس پہ اقامت طلب ہے ذوقِ سجود
قدم قدم پہ جو ڈر ہے کہ وعدہ گاہ نہ ہو

بس اُن کی بزمِ محبّت میں ہو اُنھی پہ نظر
مجھے پھر اپنا خیال آئے یہ گناہ نہ ہو

ستم ہے اُن کے لئے قید و بندِ عقلِ رشید
جو چاہتے ہیں کریں عیش، انتباہ نہ ہو

کیا بتائیں نزع میں یہ روح کیوں بالیدہ ہے
لذتیں ساحل کی وہ جانے جو طوفاں دیدہ ہے

کچھ محبّت کچھ عداوت ہیں یہ دِل کی دھڑکنیں
یہ نہیں تو فرق کیا مُردہ ہے یا خوابیدہ ہے

خاکساری دام ہے جب زُہد ہے اُلجھا ہوا
ذکرِ عمّامہ نہ کیجے مسئلہ پیچیدہ ہے

کس طرح پلکیں بچھائے راہ میں چشمِ قبول
خیر و بد کو کیوں نہ پرکھے جب نظر سنجیدہ ہے

عافیت میں پَل کے دل ہے عافیت نا آشنا
فصلِ گل کی قدر کیا کرتا خزاں نادیدہ ہے

کِس فضیلت پر ہیں نازاں خوگرِ ظلم و ستم
موشگافی کیا کریں گے مُو بمُو ژولیدہ ہے

طُور پر کیسا بھروسہ بے خودی کا کیا علاج
طالبِ دیدار آئے ہیں، نفس دُزدیدہ ہے

غم کی شادابی سلامت چند اشکوں کے سوا
اِس کتابِ زندگی کا ہر ورق بوسیدہ ہے

درمیاں سے کوئی قصّہ سن کے کیا سمجھے رشیدؔ
زندگی میں داستاں سے داستاں چسپیدہ ہے

میری موت

بارگاہِ ختمی مرتبتؐ سے استمداد

تھیں یہی انگڑائیاں اک دن جوانی کی بہار
نزع کے جھٹکوں میں جن کا ارتقا ہے آشکار

سر اٹھا کر یہ سمجھتے تھے کہ دنیا بس میں ہے
اب جُھکی گردن کہ جب دنیا ہوئی سر پر سوار

مسکراتے تھے جوانی کی بہاریں ٹوٹ کر

اب ہنسی آتی ہے جب لٹنے کو ہے اپنی بہار

ہو سکے تو روک کر ان جانے والوں سے سنو

اِن کی دُنیا کا فسانہ وہ فریبِ اقتدار

مِل سکے تو شوق سے دنیا کی ہر نعمت کو لو

پہلے مستحکم تو کر لو اپنا دستِ رعشہ دار

زندگی آغاز میں شفّاف اک آئینہ ہے

موت کے انجام تک اُس پر جِلا ہے یا غبار

گود میں لے کر کھلونے جیسے بچّہ سو رہے

لے کے دُنیا قبر میں سوتے ہیں کتنے ذی وقار

کتنے رنج و غم ہیں لازم اک مسرّت کے لئے

کتنی موتیں نخلِ ہستی کیلئے ہیں برگ و بار

رونقِ بازار بن جاتی ہے ظالم زندگی
جب نکلتے ہیں گھروں سے سب پریشاں روزگار

زندگی کو یاد کرنا موت کے ہنگام پر
ہے یہ دستورِ جہاں سب مرنے والوں کا شعار

زندگی میری، مری دنیا کا ہنگامِ عمل
موت میری، میرے ہنگامِ عمل کا اختصار

زندگی بھی ہے اضافی، ہے اضافی موت بھی
ہم نہیں ہوں گے مگر ہوں گے یہی لیل و نہار

ہم نہ ہوں گے یونہی چمکے گا ستارہ صبح کا
شامِ غم خونِ شفق سے یونہی ہو گی اشکبار

ذرّے ذرّے کے لئے اُس کا عروج اُس کا زوال
غنچے غنچے کے لئے اُس کی خزاں اُس کی بہار

زندگی کیا ہے کسی گلشن میں آویزاں قفس
موت کیا ہے خود بخود پیدا ہو گر راہِ فرار

زندگی کشتِ عمل کی آبیاری سر بہ سر
موت کیا ہے فکرِ حاصل، انتظارِ برگ و بار

لَیسَ للانسان اِلّا ما سَعیٰ ہے زندگی
کانَ امرُ ربّکَ پر موت کا ہے انحصار

زندگی اور موت یہ دو منزلیں ہیں روح کی
ایک منزل حصر کی ہے ایک منزل بے حِصار

زندگی مرکز پہ آکر کام کرنا روح کا
موت گویا انتشارِ روح، یعنی ختمِ کار

زندگی ارمان کے تارے کی جگمگ رات بھر
موت اُس تارے کا گرنا ٹوٹ کر بے اختیار

زندگی گونگے تخیّل کے لئے خوابِ عجیب
موت اک سعّیٔ تکلّم، چونک پڑنا ایک بار

زندگی وہ اختیار اپنا جہاں، باطن میں جبر
موت یعنی جس کا ظاہر جبر، باطن اختیار

زندگی کیا ہے سراپا اعتبارِ آرزو
موت کیا ہے فی الحقیقت آرزوئے اعتبار

زندگی کیا ہے مسلسل غیر محسوس اک سفر
موت کیا ہے بے ارادہ ایک منزل پر قرار

زندگی کیا ہے تلاشِ دوست کی حیرانیاں
موت وعدے کی گھڑی ہے یعنی خاموش انتظار

کاش وہ آتے۔ وہ آئے۔ آ گئے وہ آ گئے
میرا جانا اُن کا آنا، وقت کم باتیں ہزار

آنے والے میری دنیا کیا چھپاؤں کیا کہوں
داستاں اک عمر کی اور دو نفس کا اختصار

السّلام اے رازدارِ خلوتِ بزمِ ازل
السّلام اے صبحِ اوّل فخرِ جنسِ اعتبار

السّلام اے منتہائے نعرہ ہائے ہُو کشاں
موت کو آسان کر اے وقت کے پروردگار

جام چھلکا، آنکھ جھپکی، ہم چلے، ساقی اُٹھا
نزع کی ہچکی لگی، میں آنے والے پر نثار

وہ رگیں کھنچنے لگیں، پتھرا گئیں آنکھیں رشید
وہ اُٹھا رونے کا غُل، ہٹنے لگے تیمار دار

جو بہار آ کے نکل گئی نہ وہ مے رہی نہ سُبو رہا
جو یہ دل کی بات بدل گئی نہ وہ میں رہا نہ وہ تُو رہا

نگہِ ہوس پہ یہ کُھل گیا کہ ہے دشمنی میں بھی فائدہ
جو غرض کا دوست بنا گیا وہ غرض کے ساتھ عُدو رہا

غمِ بیکسی تو محیط ہے جو زمیں پہ ہے وہ فلک پہ ہے
تری یادِ اِسی سے تو رہ گئی یہ جو کچھ شفق میں لہو رہا

جو نہاں تھا کل وہ ہے اب عیاں جو ہے آج راز وہ کل کھلے
مگر اک اجل ہے چھپی ہوئی یہی ایک سِرّ مگو رہا

دلِ ما و من غمِ ما و من سرِ ما و من پئے ما و من
یہی دل کا غم یہی سر میں دُھن نہ وہ حق رہا نہ وہ ہُو رہا

تھی قدم قدم پہ مزاحمت مگر ایک رُخ پہ حیات تھی
نہ کسی کی عقل میں آسکا غمِ دوست میں جو نمو رہا

وہی سر ہے سنگِ طلب یہاں درِ غیر پر جو نہ جھک سکا
جو رہِ وفا سے نہ ہٹ سکا وہی پاؤں آبلہ جو رہا

تیری بزمِ ناز میں ہر نفس تھی رشیدؔ کی یہی زندگی
کبھی یادِ قلب و سناں رہی کبھی ذکرِ تیغ و گلو رہا

خواب اِس طرح پریشاں ہیں اِن ارمانوں کے
راستے جیسے ہوں بستی سے بیابانوں کے

درد اندازۂ درماں سے سِوا ہوتا ہے
ہائے وہ عقل جو نرغے میں ہو نادانوں کے

حُسن اور عشق کی فطرت ہے ازل سے یکساں
کیف عنوان بدل دیتا ہے افسانوں کے

ناامیدی کی سحر کا ہے کو عبرت بنتی
چاک دیکھے ہیں مگر تم نے گریبانوں کے

سرِ شوریدہ، دلِ جاہ طلب، حرصِ حیات
چند یہ نام ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

پردۂ رونقِ بازار الٹ کر دیکھو
حسرتیں دوڑتی ہیں بھیس میں انسانوں کے

کیوں نہیں دیکھتے کعبے کے نگہبان رشید
کتنے بگڑے ہوئے تیور ہیں صنم خانوں کے

فکر میں اپنی ڈوب کر قوتِ امتیاز دیکھ
عقل کا احتجاج سُن عشق کا اہتزاز دیکھ

کچھ تو ہے باطنِ ظہور کچھ تو ہے غیب ہر حضور
کیا ہے حقیقتوں کا نور، تابعِ صد مجاز دیکھ

کیا ہو نگاہ میں بصیر فکر میں آپ ہی فقیر
اپنے اُفق کی ہے اسیر فطرتِ خانہ ساز دیکھ

دین میں رخصتیں بھی ہیں شرط مگر کڑی یہ ہے
بعدِ عمل نہ راہ ڈھونڈ قبلِ عمل جواز دیکھ

دل کو یقین آگیا کوئی کہیں خدا نہیں
پھر بھی خدا پہ اعتراض، شک پہ یقیں کو ناز دیکھ

طالبِ دید وہ، یہاں عِلمِ مزید کا سوال
طُور و حجاز میں رشیدؔ، کون ہے سرفراز دیکھ

زباں پہ سب کی ہے ضرب المثل جزاک اللہ
مگر ہے ضعفِ ادب بے محل جزاک اللہ

اگر ہے عقل تو لازم ہے نُصرتِ مظلوم
اِسی شجر کے لئے ہے یہ پھل جزاک اللہ

کسی سے عشق ہو ترجیح بے سبب نہ رہے
دل و خرد میں نہ آئے خلل جزاک اللہ

سحر ہے طُور، دعا ہے طلب، تجلّی لطف
یہی تو وقت ہے اے دل مچل جزاک اللہ

کلام، ذکر، نظر، درس اور خموشئ فکر
یہ ہے جو حاصلِ علم و عمل جزاک اللہ

رشیدؔ کس سے یہ باتیں ہوئیں خدا جانے
پھر اُس کا نام بھی رکھا غزل جزاک اللہ

مناجات

قمرِ بنی ھاشم کی خدمت میں

دلِ آفت زدہ کے راز و نیاز
آج سنتا ہے ایک بندہ نواز
کیا حقیقت سے مل گیا ہے مجاز
تیری درگاہ اور مری آواز

ذرّہ ہم بزمِ آفتاب ہوا
مجھ سا ناچیز باریاب ہوا

مجھ کو دیکھو بھلا مری اوقات
طالبِ نور ہو اندھیری رات
لیکن اے جلوۂ تمام صفات
ہر فنا کو ہے جستجوئے حیات

آستانِ شہید پر دِل ہے
ذرّہ یوں مہر کے مقابل ہے

نور ہی نور ہے حیاتِ شہید
بندگی میں وہی فرید و وحید
حاصلِ زندگی تھی قتل کی عید
موت نے کر دیا ہے قابلِ دید

اِذنِ رَب سے جہاں شہادت ہے
پھر وہی باعثِ شفاعت ہے

اس شہادت سے ہے حضور مراد
یعنی حاضر سے کیجئے استمداد
جو ہو موجود وہ سُنے فریاد
مان لے بات اُس کی ربِّ عباد
زندگی کا وہ مُدّعا ہو جائے
مظہرِ لُطفِ کبریا ہو جائے

قُربِ حق سے ہوا یہ راز عیاں
عِلم، قدرت حیات سب ہے یہاں
اذنِ رب سے عطا ہے، شرک کہاں
کیوں نہ روشن ہو پھر مہِ عرفاں
بنی ہاشم کے چاند جلوہ کر
اِس اندھیرے میں اب اُجالا کر

اُس اُفق پر ہوا ہے تیرا ظہور

ہے ولائت سے جو فضا معمور

اُس جگہ کا رہا یہی دستور

کوئی سائل پھرا نہیں مہجور

ایک اک آہ کا صلہ دے دیں

بے طلب حسبِ حوصلہ دے دیں

پھر بھی حُکمِ طلب مشیّت ہے

یعنی اذنِ دعا عنایت ہے

احتیاج آدمی کی فطرت ہے

یہ فقیر آج محوِ طاعت ہے

ہو اجازت تو اب سوال کروں

تم، جو سُن لو تو عرضِ حال کروں

بیقراروں کا اک قرار ہو تم
دلِ مومن کا اعتبار ہو تم
آلِ طٰہٰؑ کا افتخار ہو تم
نائبِ شیرِ کردگار ہو تم

جو بلا آئی تم نے رد کی ہے
تم نے شبیرؑ کی مدد کی ہے

وہ دو عالم کا مُقتدا شبیرؑ
وہ خدائی کا رہنما شبیرؑ
وہ محمدؐ کا لاڈلا شبیرؑ
فاطمہؑ کا وہ مہ لقا شبیرؑ

کام اُمّت کا جو سنوارتا ہے
وہ مدد کو تمھیں پکارتا ہے

لُٹ چکی جب حسینؑ کی سرکار
نہ رہے کوئی یاور و انصار
ایک مظلوم تھا ہزاروں وار
گھِر گیا ابنِ حیدرِؑ کرار
پُشتِ مرکب پہ جُھک گئے شبیرؑ
بھائی کو ڈھونڈتے چلے شبیرؑ

دی صدا بھائی اب مدد کو آؤ
آؤ عباسؑ دشمنوں کو ہٹاؤ
یہ ضعیفی، یہ دل، جگر کے گھاؤ
اے مرے شیر کیا کروں بتلاؤ
فوج کا رنگ اب بگڑتا ہے
آؤ زہراؑ کا گھر اُجڑتا ہے

گئی آواز جب یہ نہر کے پاس
تڑپ اٹھا کوئی بدرد و یاس
رو کے بولے یہ شاہِ درد اساس
رب کی مرضی ہے سو رہو عباسؑ

نہ ہو بے چین، چین آتا ہے
دو گھڑی میں حسینؑ آتا ہے

تم نے کی ہے حسینؑ کی نُصرت
قُربِ حق سے ملی عجب قوّت
اے علیؑ عزم ، کربلا ہمّت
رہ گئی حشر تک یہی طاقت
جسمِ ایماں میں تم سے دم باقی
کٹ گئے ہاتھ ہے علَم باقی

دین و دنیا میں اے ولیِ حیات
سب کی بخشش ہے اب تمھارے ہات
نازشِ فاطمہؑ ہے یہ سوغات
روزِ محشر یہی ہے وجہِ نجات
قولِ معصومؑ آشکارا ہے
دستِ عباسؑ کا سہارا ہے

اے علیؑ ولی کے نورِ نظر
دخترِ مصطفےٰؐ کے قلب و جگر
ہے تمھاری ہی یاد شام و سحر
مری دنیا بھی ہے عجب محشر
تم جو چاہو تو پھر ہے کیا مشکل
ابنِ مشکل کشاؑ، کشا مشکل

کٹ چکی زندگی بُری کہ بھلی

سب حقیقت حضور پر ہے جلی

شیرِ حق نائبِ علیؑ ولی

اب تو آجایئے کہ جان چلی

صبرِ مظلومؑ کربلا کی قسم

آپ کو آپ کی وفا کی قسم

میری ہستی کا یہ ورق فریاد

دے رہا ہے غم و قلق فریاد

غم سے سینہ ہے میرا شق فریاد

اے علمدارِ فوجِ حق فریاد

اپنے دامن میں اب چھپا لیجئے

مر رہا ہوں شہا بچا لیجئے

اے شہیدِ فلک وقار سنو
ابنِ حیدّر کے غمگسار سنو
بنتِ زہرؑا کے پردہ دار سنو
قصۂ درد ایک بار سنو

کچھ سنا لوں تو دل بہل جائے
غم کا مارا ہوا سنبھل جائے

ابرِ صدق و صفا فراتِ وفا
حرزِ بازوئے سیّدالشہدا
دلِ زینبؑ کی مستجاب دعا
ہمّتِ قلبِ حضرتِ زہرؑا

اے حسینی یقین کے وارث
عبدِ صالح زمین کے وارث

کس کے گھر پر میں ناتواں جاؤں
دربدر ہو کے نیم جاں جاؤں
تم جہاں کہدو میں وہاں جاؤں
کون میرا ہے میں کہاں جاؤں

اب میں کیا جاؤں گا کسی در پر
زندگی کٹ گئی اِسی در پر

چھائی ہے ظلم کی گھٹا ہر سُو
اپنے غمّاز غیر حیلہ جُو
نکتہ چیں دوست طعنہ زن ہے عَدُو
اے سکینہ کے شیفتہ عمّو

شکوۂ رنجِ دہر لایا ہوں
اک وسیلے کے ساتھ آیا ہوں

شام کی قید میں وہ اک بچّی

آ کے دروازے پر کھڑی ہوتی

دن جو ڈھلتا تو وہ پکارتی تھی

اے چچا جان آ ؤ رات ہوئی

اُسی بچّی کا واسطہ عبّاسؑ

قیدِ غم سے کرو رہا عبّاسؑ

بند تھی قیدِ یاس و حرماں میں

بس چچا ہی تھے قلبِ ناداں میں

کیسا کٹتا تھا وقت زنداں میں

چُھپتی تھی جا کے ماں کے داماں میں

چیختی تھی طمانچے کھا کھا کر

اے چچا جان دیکھئے آ کر
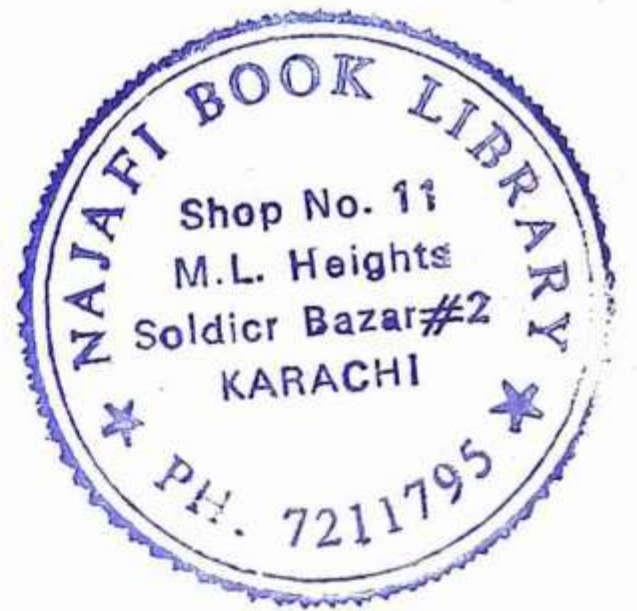
اے ابو الفضلؑ میری شہزادی

لطفِ شبیرؑ کی جو تھی عادی

ہائے اس کی ہوئی یہ بربادی

قید میں ہے پھپی سے فریادی

کان زخمی ہے لال چہرہ ہے

خون رخسار سے ٹپکتا ہے

واسطہ ہے مرا یہی رخسار

اِس کے صدقے میں اب شہ ابرارؑ

غم سے مجھ کو نکالئے اک بار

اب شفا پائے یہ دلِ بیمار

دل کو راحت پئے حسینؑ ملے

ہائے عباسؑ اب تو چین ملے

وَالْعُلَمَاءُ بَاقُوْنَ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ اَعْيَانُهُمْ مَفْقُوْدَةٌ وَاَمْثَالُهُمْ فِي الْقُلُوْبِ مَوْجُوْدَةٌ

صاحبانِ علم باقی ہیں جب تک کہ دہر باقی ہے اُن کے اجسام اگرچہ گم شدہ ہیں لیکن اُن کے عمل کی صورتیں دِلوں میں موجود ہیں

(نہج البلاغہ)
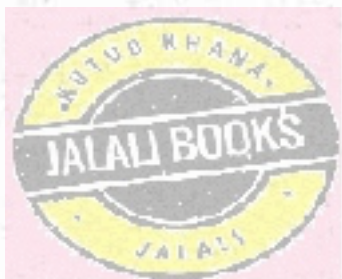
افہام و تفہیم کے سلیقوں سے آراستہ بھی۔ یہ آراستگی اپنا ایک ذائقہ رکھتی ہے۔ اس میں شاعرانہ احتیاط کی مٹھاس کے ساتھ خطیبانہ احتساب کی چاشنی بھی کہیں کہیں کچھ تیز ہو جاتی ہے۔ یہ مٹھاس، یہ چاشنی مَرَجَ البحرین ہیں اور اس کے بطن سے ایک نخلِ نعمت نمو پا رہا ہے۔ ہر چند کہ اس آواز کی صَوری تربیت میں نظم طباطبائی اور ضامن کنتوری کا دخل ہے لیکن اقبال اور یگانہ کے معنوی اثرات بھی اپنا ایک گوشۂ نفوذ رکھتے ہیں۔ اِس آواز کے پیچھے کتاب زادوں کی تہذیب اور فکری رزم گاہوں کے تمدّن سے ایک ایسا معاشرہ سامنے آتا ہے جس میں شدید ذمہ داری کا شعوری احساس ملتا ہے۔ یہ احساس ایک تحریک کی صورت رکھتا ہے۔ یہ تحریک ظلم سے نفرت کرتی ہے اور آدمی کو مظلوم کے انتصار کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ انتصار، روحِ عصر ہے۔ یہ ہر عصر کے دائرے کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس انتصار کی اپنی الگ ایک تکوینی و تشریحی حیثیت ہے اِس کی نفی کرنا گویا اپنے وجود کی نفی کرنا ہے۔ یہ انتصار نُزول و صُعود کی دو جُداگانہ کیفیتوں کا ایک ایسا اتصال ہے جیسے ایک شمع کی موجودگی میں اگر دوسری شمع روشن کی جائے تو دونوں کی روشنیاں ایک دوسرے کو اپنی جگہ سے منتقل کیے بغیر آپس میں اس طرح پیوند ہو جاتی ہیں کہ دونوں کے درمیان علیحدگی کا خط کھینچنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ سیرِ کمال ہے، یہ وہ معراج ہے جہاں پہنچ کر انتصار زمان و مکان کے اضافات و اعتبارات سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اِس اِنقطاع اور اِس اِرتفاع کی وجہ سے روحانی ارتقا کا تسلسل بے خلل اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ متناہی سے لامتناہی کی جانب سفر ——— پھر اِس سفر میں ایک ایسا موڑ بھی آتا ہے کہ جس کے بعد آدمی پر زوال و فنا کے تمام استعاروں کا اطلاق محرمانِ حرف و ظرف کے نزدیک متروک سمجھا گیا ہے۔

نصیر ترابی

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹر ڈی وی ڈی

بیادِ سید وصی حیدر رضا زیدی

کتابوں کی لسٹ ڈی وی ڈی کور کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خصوصی تعاون: حجۃ الاسلام سید نو بہار رضا نقوی (فاضل مشہد، ایران)

سگ درِ بتولؑ: سید علی قنبر زیدی ۔ سید علی حیدر زیدی

التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹر ڈی وی ڈی ● التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)